# میری سارہ

از

سیدنا حضرت میرزا بشیر الدین محمود احمد
خلیفۃ المسیح الثانی

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ ۔ ھُوَ النَّاصِرُ

# میری سارہ

بر آستانِ آنکہ زخود رفت بہرِ یار
چوں خاک باش و مرضی یارے دَراں بجو

وَلَنَبْلُوَنَّکُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِیْنَ الَّذِیْنَ اِذَا اَصَابَتْھُمْ مُّصِیْبَۃٌ قَالُوْا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ [1]

**امۃ الحی مرحومہ** ۱۹۲۴ء میں جب مَیں انگلستان کے تبلیغی دورہ سے واپس آیا تو ابھی میں جہاز میں تھا کہ عزیزم خلیل احمد پیدا ہوا اور میری پیاری بیوی امۃ الحی سخت بیمار ہو گئیں ۔ اللہ تعالیٰ نے میری دعاؤں کو سنا اور میرے قادیان پہنچنے تک انہیں زندہ رکھا۔ پھر وہ میرے دل کی راحت اور میری جان کا سُکھ ، میرے آقا، میرے مولیٰ ، میرے محبوب کی مشیّت کے ماتحت مجھ سے جُدا کر دی گئی ۔

بلانے والا ہے سب سے پیارا
اسی پہ اے دل تُو جاں فدا کر

امۃ الحی اپنی ذات میں بھی نہایت اچھی بیوی تھیں مگر ان میں ایک خاص بات بھی تھی ۔ ان کی شکل اپنے والد، میرے محسن، میرے پیارے استاد حضرت مولوی نورالدین صاحب سے بہت ملتی تھی ۔ نسوانی نقش جس حد تک مرادنہ خوبصورتی کو ظاہر کر سکتے ہیں اس حد تک وہ اپنے والد کی یاد دلاتی تھیں ۔ سوائے عبدالحی مرحوم کے ان کے بھائیوں میں سے کوئی بھی اس شباہت کو ظاہر نہیں کرتا جو ان کے نقوش سے ظاہر ہوتی تھی ۔ میرے لئے وہ یاد نہایت پیاری اور وہ شباہت نہایت محبوب تھی ، پھر ان کا علمی مشغلہ، وہ بیماری اور کمزوری میں عورتوں کو پڑھانا، وہ علمی ترقی کا شوق

نہایت درجہ تک جاذبِ قلب تھا۔ اللہ کے اس قدر فضل ہوں اِس کے والد پر اور اِس مرحومہ پر، ہاں اِس قدر کہ وہ دونوں حیران ہو کر اپنے رب سے پوچھیں کہ آج کیا ہے کہ تیری رحمت کا دروازہ اس رنگ میں ہم پر کُھل رہا ہے اور ان کا ربّ اُنہیں بتائے کہ میرے بندے محمود نے اپنا ٹُوٹا ہوا دل اور اشک بار آنکھیں میرے قدموں پر رکھ کر مجھ سے درخواست کی ہے کہ میں تم پر خاص درود بھیجوں اور یہ اسی درود کی ضیاباریاں ہیں جو تم پر نازل ہو رہی ہیں۔

مرحومہ فوت ہو گئیں اور میرے دل کا ایک کونہ خالی ہو گیا۔ میری وہ سکیم جو مستورات کی تعلیم کے متعلق تھی، یوں معلوم ہوا کہ ہمیشہ کیلئے تہ کر کے رکھ دی گئی۔ مگر نہیں۔ اللہ تعالیٰ مجھے کچھ اور سبق دینا چاہتا تھا۔

## سارہ بیگم مرحومہ کے متعلق تحریک نکاح

غالباً ۱۹۲۴ء کا شروع تھا یا ۱۹۲۳ء تھا جب برادرم پروفیسر عبدالقادر صاحب ایم۔اے قادیان تشریف لائے ہوئے تھے۔ وہ کچھ بیمار ہوئے اور اُن کیلئے ہومیو پیتھک دوا لینے کیلئے اُن کی چھوٹی ہمشیرہ میرے پاس آئیں انہوں نے اپنے بھائی کی بیماری کے اسباب کے متعلق کچھ اس فلسفیانہ رنگ میں مجھ سے گفتگو کی کہ میرے دل پر اس کا ایک گہرا نقش پڑا۔ جب وہ دوا لے کر چلی گئیں میں اوپر دوسرے گھر کی طرف گیا جس میں میری مرحومہ بیوی رہا کرتی تھیں۔ وہاں کچھ مذہبی تذکرہ ہوا اور ایک بُرقعہ میں سے ایک سنجیدہ آواز نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کسی ڈائری کا حوالہ دیا کہ آپ اس موقع پر اس اس طرح فرماتے ہیں۔ یہ آواز پروفیسر صاحب کی ہمشیرہ ہی کی تھی اور حوالہ ایسا برجستہ تھا کہ میں دنگ رہ گیا۔ میری حیرت کو دیکھ کر امۃ الحی مرحومہ نے کہا انہیں حضرت صاحب کی ڈائریوں اور کتب کے حوالے بہت یاد ہیں اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے فارسی شعر بھی۔ یہ کہتی ہیں کہ میں نے الحکم اور بدر میں سے اکثر ڈائریاں پڑھی ہیں اور مجھے یاد ہیں۔ میرے دل نے کہا یہ بچی ایک دن خدا تعالیٰ کے فضل سے سلسلہ کیلئے مفید وجود بنے گی۔ میں وہاں سے چلا گیا اور وہ بات بھول گئی۔ جب امۃ الحی مرحومہ کی وفات کے بعد مجھے سلسلہ کی مستورات کی تعلیم کی نسبت فکر پیدا ہوئی تو مجھے اس بچی کا خیال آیا۔ اتفاق سے اس کے والد مولانا عبدالماجد صاحب بھاگلپوری جلسہ پر تشریف لائے ہوئے تھے میں نے ان سے اس کا ذکر کیا اور انہوں نے مہربانی فرما کر میری درخواست کو قبول کیا۔ ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب کو میں نے لڑکی کی صحت کے متعلق رپورٹ کرنے کو بھیجا اور

انہوں نے رپورٹ کی کہ صحت اچھی ہے کچھ فکر کی بات نہیں۔ان کی اس رپورٹ پر میں نے جو خط مولوی صاحب کو لکھا۔اس کا ایک حصہ حسب ذیل ہے:۔

''ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب آج واپس تشریف لے آئے ہیں اور انہوں نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے سارہ سلمہا اللہ تعالیٰ کی صحت ایسی نہیں جس سے کچھ خدشہ ہو۔ چونکہ فیصلہ کی بناء طبی مشورہ پر رکھی گئی تھی اور طبی مشورہ موافق ہے اس لئے اللہ تعالیٰ پر توکّل کرتے ہوئے میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ اگر مندرجہ ذیل امور میں آپ کی رائے اثبات میں ہو اور سارہ سلمہا اللہ تعالیٰ بھی ایسی ہی رائے رکھتی ہوں تو ان کا نکاح مجھ سے کر دیا جائے''۔

اس خط کی نقل میں نے رکھی ہوئی تھی۔ اتفاقاً آج سارہ بیگم مرحومہ کا پہلا خط تلاش کرنے لگا تو ساتھ ہی اس خط کی نقل بھی مل گئی۔غرض یہ خط میں نے لکھا اور مولوی صاحب موصوف نے جو کچھ میں نے لکھا تھا اسے بخوشی قبول کیا اور ہمارا نکاح ہو گیا۔ سارہ جو بھا گلپور کے ایک نہایت معزز اور علمی خاندان میں پیدا ہوئی تھیں، ۱۹۲۵ء میں اس سال کی مجلس شوریٰ کے موقع پر میرے نکاح میں آ گئیں،ان کا خطبہ نکاح خود میں نے پڑھا اور اس طرح ایک مُردہ سنت پھر قائم ہوئی۔ اللہ تعالیٰ کی لاکھوں برکتیں ہوں مولوی عبدالماجد صاحب پر جنہوں نے ہر طرح کی تکالیف کو دیکھتے ہوئے ایک بے نظیر اخلاص کا ثبوت دیا اور میرے ارادوں کو پورا کرنے کیلئے مجھے ایک ہتھیار مہیا کر دیا۔

## سارہ بیگم کے نام پہلا خط اور اس کا جواب

مرحومہ امۃ الحی کی وفات سے جو ایک قومی نقصان مجھے نظر آتا تھا اس کی ذہنی اذیت نے مجھے اس بات کیلئے بیتاب کر دیا کہ سارہ بیگم کے قادیان آنے سے پہلے ہی انہیں انکی ذمہ داریوں کی طرف توجہ دلاؤں چنانچہ میں نے انہیں ایک خط لکھا جس میں بالاجمال آنے والی ذمہ داریوں کی طرف توجہ دلائی اور امید ظاہر کی کہ وہ میرے لئے مشکلات کا نہیں بلکہ راحت کا موجب بنیں گی۔ خط کے جواب میں کچھ دیر ہو گئی تو میں نے ایک اور خط لکھا اس کا جو جواب آیا وہ میں نے محفوظ رکھا ہوا تھا۔ آج کہ مرحومہ اس دنیا سے اُٹھ گئی ہیں، آج کہ ہمارے تعلقات سفلی زندگی کے اثرات سے پاک ہو کر بالکل اور نوعیت کے ہو گئے ہیں، آج کہ نہ ان کیلئے اس خط کے ظاہر ہونے میں کوئی شرم ہے نہ میرے لئے، میں اس خط کو مرنے

والی کی نیک یاد کو تازہ رکھنے کیلئے درج کرتا ہوں۔ جب یہ خط مجھے ملا اُس وقت بھی میری آنکھیں پُرنم تھیں اور آج بھی کہ وہ خط میری آنکھوں کے سامنے اس نہ واپس لوٹ سکنے والے زمانہ کو سامنے لا رہا ہے، میری آنکھیں اشکوں سے پُر ہیں۔ اللہ تعالیٰ مجھ پر بھی اور مرحومہ پر بھی رحم فرمائے کہ اگر ہم گندے ہیں تو بھی اس کے ہیں اور نیک ہیں تو بھی اس کے ہیں۔ وہ خط یہ ہے۔

''۲۴۔ اپریل ۱۹۲۵ء۔ از احمدیہ ہاؤس بھاگلپور

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

میرے واجب الاطاعت خاوند! اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ

عید کی نماز کے معاً بعد آپ کا نامہ ملا۔ دریافتِ حالات سے خوشی ہوئی۔ امید کہ میرا دوسرا خط بھی حضور کی خدمت میں پہنچا ہوگا۔ حیران ہوں کہ کیا جواب تحریر کروں۔ اللہ تعالیٰ ہی اپنے فضل سے مجھ کو ہر طرح سے آپ کی منشاء اور مرضی کے مطابق بنا کر عملاً اس کا بہترین جواب بننے کی توفیق بخشے ورنہ من آنم کہ من دانم۔

اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے مجھے بہ حیثیت آپ کی بیوی ہونے کے اپنے عظیم الشان فرائض کی ادائیگی کی ہمت و طاقت عطا فرمائے اور ہر ایک تنگی و تُرشی کو اس راہ میں برداشت کرنے کی توفیق دے۔

میں اپنے رب سے دعا کرتی ہوں کہ وہ میری ہمت و طاقت و علم و ایمان و ایقان و صحت میں بیش از پیش برکت عطا فرما کر مجھے اس مقصدِ عالی کے حصول میں کامیاب فرمائے۔ میں اپنی زندگی کا مسلک حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مندرجہ ذیل فرمان کے مطابق بنانے کا فیصلہ کر چکی ہوں۔ اللہ تعالیٰ میرا مُعین و مددگار رہو۔

بر آستانِ آنکہ زخود رفت بہرِ یار
چوں خاک باش و مرضی یارے درآں بجو[۲]

دعا کرتی ہوں اور کرونگی۔ آپ کے لئے خصوصاً اللہ پاک میری زبان میں اثر و قوت عطا فرمائے۔

آپ کے خط میں اپنے نام کو مشدّد دیکھ کر پہلے متعجب ہوئی۔ لفافہ کے اُوپر کی عبارت نے اس کے مفہوم کو سمجھنے کی طرف توجہ دلائی کیونکہ میں اس سے ناواقف تھی۔ اُردو فارسی لُغتوں میں دیکھا۔ لیکن کہیں پتہ نہ چلا آخر منتہی الادب میں دیکھا اس میں

اس کے معنی لکھے تھے ''زن شادمان کن'' اس انکشافِ حقیقت سے مجھے بے حد خوشی ہوئی۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ فی الواقعہ اسم بامُسمّٰی بنائے۔ میری طبیعت نسبتاً اچھی ہے کامل صحت کیلئے دعا کی ضرورت ہے۔ راقمہ۔آپ کی سارہ''

ان دوستوں کیلئے جو میری طرح فارسی کا علم کم رکھتے ہیں یا بالکل ہی نہیں رکھتے۔ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس شعر کا ترجمہ کر دیتا ہوں۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ:۔

اگر تُو خدا تعالیٰ کی رضا حاصل کرنا چاہتا ہے تو ایسے شخص کی تلاش کر جو خدا تعالیٰ کیلئے اپنے نفس کو کھو چکا ہو اور پھر اس کے دروازہ پر مٹی کی طرح بے خواہش ہو کر گر جا اور اس طرح اللہ تعالیٰ کی رضا کو حاصل کر۔

**جو کہا اُسے پورا کر دیا**

آہ! مرحومہ نے اُس وقت جب وہ اپنے نئے گھر میں آئی بھی نہ تھی جو کچھ کہا تھا اسے لفظاً لفظاً پورا کر دکھایا۔ اس کی زندگی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مذکورہ بالا شعر کی مصداق ہو کر رہ گئی۔ وہ اس عقیدت سے آئی کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دروازہ پر جس نے اللہ تعالیٰ کیلئے اپنے نفس کو کھو دیا تھا گر جائے اور پھر اپنے پیدا کرنے والے کی رضا کی تلاش میں اس دروازہ کی مٹی ہو کر رہ جائے، ہمیشہ کیلئے اپنے وجود کو کھو دے۔ ایک مشتِ خاک ہو جس میں کوئی جان نہ ہو۔ خواہ اُسے اُٹھا کر پھینک دو خواہ اُسے مقدس سمجھ کر تبرّک کی طرح رکھ لو۔

بخدا! اُس نے جو کہا تھا وہ پورا کر دیا۔ زندگی میں بھی اور موت کے بعد بھی۔ وہ حقیقی معنوں میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے قدموں میں خاک ہوئی پڑی ہے۔ وہ ہمیشہ کیلئے اس آستان پر گر چکی ہے تا خدا تعالیٰ کی رضا اسے حاصل ہو۔ اے رحیم خدا! تُو اِس گری ہوئی کو اُٹھا لے تُو اس پر پوری طرح راضی ہو جا۔ آمین

**تعلیم میں مشغولیت**

آخر سارہ اپنے گھر میں آئیں اور ابھی ایک ہفتہ آئی کو نہ ہوا تھا کہ تعلیم میں مشغول ہو گئیں۔ پہلے میں نے انہیں انگریزی شروع کرائی کہ وہ اس زبان سے بالکل ناآشنا تھیں اور پھر اس خاص کلاس میں داخل کرا دیا کہ جو کسی قدر تعلیم یافتہ مستورات کی اعلیٰ تعلیم کیلئے میں نے کھولی تھی۔

**علمی قابلیت** وہ فارسی اور عربی میں اچھی خاصی مہارت رکھتی تھیں فارسی شعر انہیں بہت یاد تھے، عربی میں صرف ونحو انہیں خوب آتی تھی، حتیّٰ کہ وہ بعض وقت اپنے نئے اُستادوں کو دق کر دیتی تھیں۔ عربی ادب میں کمی تھی، اسے انہوں نے نئی کلاس میں پورا کرنا شروع کیا۔ انگریزی بالکل نہ جانتی تھیں، اِس وجہ سے اِس طرف زیادہ توجہ کرنی پڑتی اور باقی مضامین پر اس کا اثر پڑتا۔ بہرحال انہوں نے ۱۹۲۹ء میں پنجاب یونیورسٹی کے مولوی کا امتحان دیا اور پنجاب میں تیسرے نمبر پر پاس ہوئیں۔

**انگریزی کی تعلیم** اس کے بعد میں نے فیصلہ کیا کہ پہلے وہ کچھ انگریزی کی تعلیم حاصل کر لیں اور بعد مشورہ یہ تجویز قرار پائی کہ وہ بجائے خالی انگریزی کا امتحان دینے کے میٹرک کا پورا امتحان دے دیں چنانچہ انہوں نے اور میری لڑکی عزیزہ ناصرہ بیگم سلّمہا اللہ تعالیٰ نے دوسال بعد ۱۹۳۱ء میں میٹرک کا امتحان دیا اور دوسال میں ہی گویا پانچ سال کی پڑھائی ختم کر کے اچھے نمبروں پر انٹرنس میں پاس ہوئیں۔ اس کے بعد عربی تعلیم کے شروع کرنے سے پہلے میں نے مناسب سمجھا کہ وہ انگریزی تعلیم ختم کر لیں اور انہیں ایف۔اے کی تیاری پر لگا دیا۔

**ایف۔اے کی تعلیم میں مشکلات** ایف۔اے کی تیاری میں بہت سی مشکلات پیش آئیں۔ اُستاد ملنے مشکل ہوئے اور فلاسفی اور تاریخ کے پرچوں کی تیاری بالکل ادھوری رہی۔ تاریخ کیلئے تو برابر دو سال تک کوئی اُستاد نہ ملا۔ فلاسفی کیلئے بھی صرف ایک دو ماہ انتظام ہو سکا اور اس طرح محنت، فکر اور گھبراہٹ نے سارہ بیگم کی صحت پر بہت بُرا اثر ڈالا۔ ان ایام میں اُن کی آواز سے یوں معلوم ہوتا تھا کہ جیسے کوئی خالی چیز بجتی ہے مگر پھر بھی انہوں نے ہمت نہ ہاری۔ بیچ میں کئی دفعہ بیمار پڑیں اور بعض حصے کتابوں کے بالکل رہ گئے جس کے لئے آخری ایام میں انہیں دُہری محنت اُٹھانی پڑی لیکن باوجود اس محنت کے بوجہ نامناسب حالات کے اپنی صحت بھی خراب کی اور امتحان میں بھی کامیاب نہ ہو سکیں لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے اخلاص کو دیکھ کر انہیں جو ہمیشہ کامیاب رہتی تھیں اس ناکامی کے صدمہ سے محفوظ رکھا کیونکہ اس کی رحمت نے نتیجہ سے پہلے ہی انہیں اُٹھا لیا۔

**عمدہ خط اور زُودنویسی** سارہ بیگم کا خط بہت اچھا تھا بہت سے مردوں سے بھی زیادہ اچھا تھا اور میرے خط سے تو بہت ہی بہتر تھا۔ خوب

تیز لکھ سکتی تھیں اور کئی مضامین مَیں نے ان سے لکھوائے ہیں۔ ان کی زود نویسی کی وجہ سے خیالات میں پریشانی نہ ہوتی اور میں آسانی سے انہیں مضمون لکھوا سکتا تھا۔

## سارہ بیگم کی اولاد

اس عرصہ میں ان کے پانچ بچے ہوئے دو ایامِ حمل میں ہی ضائع ہو گئے اور تین خدا کے فضل سے زندہ ہیں۔ بڑے کا نام رفیع احمد ہے، درمیانی لڑکی ہے اور اس کا نام امۃ النصیر ہے، چھوٹے بچے کا نام حنیف احمد ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اسمِ بامسمّٰی بنائے اور اس قسم کے نیک اعمال کی توفیق دے کہ اپنی ماں کیلئے نیک یادگار چھوڑیں اور ان کے نیک کاموں کی وجہ سے ان کی ماں کا درجہ بلند ہوتا رہے۔ یہ بچے اپنی ماں کی طرح نہایت صابر ہیں۔ حنیف احمد سلمہ اللہ تعالیٰ تو ابھی چھوٹا ہے۔ وہ چونکہ صرف ڈیڑھ ماہ کا تھا کہ ان کی پڑھائی کی وجہ سے ماں سے جُدا کر دیا گیا اور ننھیال بھجوا دیا گیا وہاں سے ماں کی وفات سے صرف تین دن پہلے آیا وہ گویا اپنی ماں سے بالکل ناواقف ہے اور ابھی اس کی عمر بھی ایک سال سے دو تین ماہ اُوپر ہے اس لئے اسے تو ماں کی موت یا زندگی کی کوئی حِس ہی نہیں۔

## چھ سالہ بچہ کا غیر معمولی عمل

لیکن رفیع احمد سلمہ اللہ تعالیٰ کہ وہ بھی اپنے ننھیال گیا ہوا تھا اور والدہ کی وفات سے صرف تین دن پہلے واپس آیا۔ اِس کی عمر چھ سال سے کچھ اوپر ہے۔ اِس کی نسبت راولپنڈی سے واپسی پر مجھے معلوم ہوا کہ جُوں ہی اِن کی والدہ فوت ہوئی، وہ اپنی بہن امۃ النصیر کو جو والدہ کے پاس رہنے کے سبب سے سب سے زیادہ والدہ سے مانوس تھی، ایک طرف لے گیا اور ایک دروازہ کے پیچھے کھڑے ہو کر دیر تک اسے کچھ سمجھاتا رہا۔ اس کے بعد جب مرحومہ کو غسل دے کر چارپائی پر لِٹا دیا گیا تو ایک پھولوں کا ہار لے کر آیا اور پہلے والدہ کے ماتھے پر بوسہ دیا پھر ہار گلے میں ڈال کر اپنے آنسوؤں کو بزور روکتا ہوا اپنے منہ کو ایک طرف کر کے تا کہ اس کے جذبات کو کوئی دیکھ نہ لے، دوسرے کمرہ میں چلا گیا۔ اس بات کو دیکھتے ہوئے کہ وہ ایک چھ برس کا بچہ ہے، یہ عمل ایک غیر معمولی عمل ہے، ایک حیرت انگیز صبر کا مظاہرہ ہے۔ جب میں واپس آیا اور میں نے رفیع احمد کو بُلوایا تو میں نے دیکھا کہ وہ میری آنکھوں سے آنکھیں نہیں ملاتا تھا اور اپنے جذبات کو پورے طور پر دبانے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ ڈرتا تھا کہ اگر میری آنکھوں سے اُس کی آنکھیں ملیں تو اپنے آنسو نہیں روک سکے گا شاید وہ کہیں چُھپ کر رویا ہو تو رویا ہو میں نے اُسے روتے ہوئے نہیں دیکھا۔

## رفیع احمد سلمہ اللہ تعالیٰ کیلئے دعا

رحیم و کریم بادشاہ! تُو نے اِس بچہ کے صبر کو دیکھا ہے اِس کے صبر کو دیکھ کر میرا نفس شرمندہ ہے، تُو اِسے سنگدلی سے محفوظ رکھ، تُو اِس کے اِن دبائے ہوئے جذبات کو مرنے سے محفوظ رکھ، اگر اِس جذبات کو دبانے کی کوشش میں اِس کے جذبات مر جائیں، اگر اِس کا دل پتھر کی طرح ٹھنڈا اور سخت ہو جائے تو اے میرے رب! یہ اِس کی اِس شاندار کوشش کا ایک بُرا بدلہ ہوگا۔ پس اے رحیم خدا! گو جذبات کی زندگی ایک موت ہے، ایک سوزش ہے جو ہر وقت انسان کو جلاتی رہتی ہے لیکن اے میرے رب! اِسی موت میں روح کی زندگی ہے اور جذبات کی موت گو بظاہر آرام اور سکون کا موجب ہے لیکن اِس آرام اور سکون میں روح کی موت ہے۔ پس اے میرے رب! میں تجھ سے عاجزانہ درخواست کرتا ہوں کہ اِس بچہ کے اِس نیک فعل کو قبول کر اور اِس کے جذبات کو مرنے نہ دے بلکہ ایک رحم کرنے والا دل اِسے دے، ایک محبت کرنے والا دل اِسے دے، ایک سوز سے پُر دل اِسے دے، ہاں بظاہر دوزخ نظر آنے والی یہ تینوں چیزیں اِسے دے تا کہ وہ تیری جنت کو حاصل کر سکے۔ آمین۔ یَا رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ۔

## تین سالہ بچی کا صبر و استقلال

یہ تو رفیع احمد کا حال تھا۔ امۃ النصیر جو تین ساڑھے تین سال کی عمر کی بچی ہے اور ہر وقت اپنی ماں کے پاس رہنے کے سبب سے بہت زیادہ ان سے مانوس تھی اپنے بھائی کے سمجھانے کے بعد وہ خاموش سی ہوگئی جیسے کوئی حیران ہوتا ہے۔ وہ موت سے ناواقف تھی وہ موت کو صرف دوسروں سے سن کر سمجھ سکتی تھی۔ نہ معلوم اس کے بھائی نے اسے کیا سمجھایا کہ وہ نہ روئی، نہ چیخی، نہ چلاّئی وہ خاموش پھرتی رہی اور جب سارہ بیگم کی نعش کو چارپائی پر رکھا گیا اور جماعت کی مستورات جو جمع ہو گئی تھیں، رونے لگیں تو کہنے لگی میری امّی تو سو رہی ہیں، یہ کیوں روتی ہیں؟ میری امّی جب جاگیں گی تو میں ان سے کہوں گی کہ آپ سوئی تھیں اور عورتیں آپ کے سرہانے بیٹھ کر روتی تھیں۔

جب میں سفر سے واپس آیا اور امۃ النصیر کو پیار کیا تو اُس کی آنکھیں پُرنم تھیں لیکن وہ روئی نہیں۔ اُس دن تک میں نے کبھی اُسے گلے نہیں لگایا تھا اُس دن پہلی دفعہ میں نے اُسے گلے لگا کر پیار کیا مگر وہ پھر بھی نہیں روئی حتّٰی کہ مجھے یقین ہو گیا کہ اسے نہیں معلوم کہ موت کیا چیز ہے مگر نہیں یہ میری غلطی تھی یہ لڑکی مجھے ایک اور سبق دے رہی تھی۔ سارہ بیگم دارالانوار کے نئے مکان میں فوت ہوئیں جب ہم اپنے اصلی گھر دارالمسیح میں واپس آئے تو معلوم ہوا اس کے پاؤں میں بوٹ

نہیں۔ ایک شخص کو بوٹ لانے کیلئے کہا گیا وہ بوٹ لے کر دکھانے کیلئے لایا تو میں نے امۃ النصیر سے کہا تم پسند کر لو جو بوٹ تمہیں پسند ہو وہ لے لو۔ وہ دو قدم تو بے دھیان چلی گئی پھر یکدم رُکی اور ایک عجیب حیرت ناک چہرہ سے ایک دفعہ اس نے میری طرف دیکھا اور ایک دفعہ اپنی بڑی والدہ کی طرف جس کا یہ مفہوم تھا کہ تم تو کہتے ہو جو بوٹ پسند ہو لے لو مگر میری ماں تو فوت ہو چکی ہے، مجھے بوٹ لے کر کون دے گا۔ میں اس امر کے بیان کرنے میں کوئی شرم محسوس نہیں کرتا کہ وفورِ جذبات سے اُس وقت مجھے یقین تھا کہ اگر میں نے بات کی یا وہاں ٹھہرا رہا تو آنسو میری آنکھوں سے ٹپک پڑیں گے اس لئے میں نے فوراً منہ پھیر لیا اور یہ کہتے ہوئے وہاں سے چل دیا کہ بوٹ اپنی امی جان کے پاس لے جاؤ۔

ہمارے گھر میں سب بچے اپنی ماؤں کو خالی امّی اور میری بڑی بیوی کو امّی جان کہتے ہیں۔ میں نے جاتے ہوئے مُڑ کر دیکھا تو امۃ النصیر اپنے جذبات پر قابو پا چکی تھی وہ نہایت استقلال سے بوٹ اُٹھائے اپنی امّی جان کی طرف جا رہی تھی۔ بعد کے حالات نے اِس امر کی تصدیق کر دی کہ وہ اپنی والدہ کی وفات کے حادثہ کو باوجود چھوٹی عمر کے خوب سمجھتی ہے۔ چنانچہ اس کے ایک بھائی نے اُسے دِق کیا اور پھر اپنے ظلم کو اور زیادہ سنگین بنانے اور اُس کے دل کو دُکھانے کی نیت سے اُسے کہا کہ کیا تم میرے اِس چھیڑنے کی شکایت اپنی امّی سے کرو گی؟ اُس نے نہایت سنجیدگی سے جواب دیا کہ نہیں بھائی میں اپنی امّی سے شکایت نہیں کر سکتی۔ ''خدا کی کھم (خدا کی قسم) میری امّی تو اللہ میاں کے پاس چلی گئی ہیں وہ تو اب کبھی واپس نہیں آئیں گی''۔ یہ گفتگو مجھے گھر کے ایک اور بچے نے سنائی اور مجھے یقین ہو گیا کہ امۃ النصیر موت کی حقیقت کو جانتی ہے اُس کا فعل صابرانہ فعل ہے اور وہ اپنی ماں کی سچی یادگار ہے۔ وہ حقیقت کو جانتے ہوئے اپنے دل پر قابو پائے ہوئے ہے۔

**امۃ النصیر کیلئے دعا** اللہ تعالیٰ اِس ننھی سی کلی کو مُرجھا جانے سے محفوظ رکھے، وہ اِس چھوٹے سے دل کو اپنی رحمت کے پانی سے سیراب کرے اور اچھے خیالات اور اچھے افکار اور اچھے جذبات کی کھیتی بنائے جس کے پھل ایک عالَم کو زندگی بخش، ایک دنیا کیلئے موجبِ برکت ثابت ہوں۔ اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ خدا! تُو جو دلوں کو دیکھتا ہے جانتا ہے کہ یہ بچی کس طرح صبر سے اپنے جذبات کو دبا رہی ہے تیری صفات کا علم تو نہ معلوم اِسے ہے یا نہیں مگر تیرے حکم پر تو وہ ہم سے بھی زیادہ بہادری سے عامل ہے۔ اے مُغیث! میں تیرے سامنے

فریادی ہوں کہ اِس کے دل کو حوادث کی آندھیوں کے اثر سے محفوظ رکھ۔ جس طرح اِس نے ظاہری صبر کیا ہے، اِسے باطن میں بھی صبر دے۔ جس طرح اس نے ایک زبردست طاقت کا مظاہرہ کیا ہے تُو اسے حقیقی طاقت بھی بخش۔ میرے رب! تیری حکمت نے اسے اس کی ماں کی محبت سے اس وقت محروم کر دیا ہے جب کہ وہ ابھی محبت کا سبق سیکھ رہی تھی۔ عشق و محبت کے سرچشمے! تُو اسے اپنی محبت کی گود میں اُٹھا لے اور اپنی محبت کا بیج اس کے دل میں بو دے۔ ہاں ہاں تُو اسے اپنے لئے وقف کر لے، اپنی خدمت کیلئے چُن لے، وہ تیری ہاں صرف تیری محبت کی متوالی، تیرے در کی بھکارن اور تیرے دروازے پر دُھونی رمانے والی ہو، تُو اسے دنیا کی نعمتیں بھی دے تا وہ لوگوں کی نظروں میں ذلیل نہ ہو، تا اس کی محبت ''عصمت بی بی از بے چارگی'' کی مصداق نہ سمجھی جائے لیکن باوجود ہر قسم کی عزت کے اس کا دنیا سے ایسا ہی تعلق ہو جیسا کہ کوئی شخص بارش کے وقت ایک کمرہ سے دوسرے کمرہ کی طرف جاتے وقت دوڑتا ہوا گزر جاتا ہے۔

**تمام بچوں کیلئے دعا**

اے میرے رب! میں اِن تینوں کو اور اپنے باقی بچوں کو بھی تیرے سپرد کرتا ہوں۔ یہ دنیا کے کُتّے نہ ہوں، یہ تیری جنت کے پرند ہوں، یہ دین کے ستون ہوں اور بیت اللہ کے محافظ، آسمان کے ستارے جو تاریکی میں گمراہوں کے راہ نما ہوتے ہیں، چمکنے والا سورج جو تاریکی کو پھاڑ کر محنت، ترقی اور کسب کے لئے راستہ کھول دیتا ہے، سوتوں کو جگاتا اور بچھڑوں کو مِلاتا ہے، یہ محبت کے درخت ہوں جن کے پھل بُغض و حسد کی کڑواہٹ سے کُلّی طور پر پاک ہوتے ہیں، یہ راستہ کا کنواں ہوں جو سایہ دار درختوں سے گھرا ہوا ہو جس پر ہر تھکا ہوا مسافر ہر واقف اور ناواقف آرام کیلئے ٹھہرتا ہو جس کا ٹھنڈا پانی ہر پیاسے کی پیاس بُجھاتا اور جس کا لمبا سایہ ہر بے کس کو اپنی پناہ میں لیتا ہو، یہ ظالموں کو ظلم سے روکنے والے، مظلوموں کے دوست، خود موت قبول کر کے دنیا کو زندہ کرنے والے، خود تکلیف اُٹھا کر لوگوں کو آرام دینے والے ہوں، وہ وسیع الحوصلہ، کریم الاخلاق اور طویل الایادی ہوں جن کا دسترخوان کسی کیلئے ممنوع نہ ہو، وہ سابق بِالخیرات ہوں، اِن کا ہاتھ نہ گردن سے بندھا ہوا ہو نہ اِس قدر کُھلا کہ ندامت و شرمندگی اس کے نتیجہ میں پیدا ہو۔

اے میرے ہادی! وہ دین کے مبلّغ ہوں، اسلام کی اشاعت کرنے والے، مُردہ اخلاق کو زندہ کرنے والے، تقویٰ کے مٹے ہوئے راستوں کو پھر روشن کرنے والے، محمدؐ رسول اللہ کے پہلوان، لَمَّا یَلْحَقُوْا بِھِمْ [۳] کے مصداق، ابنائے فارس کی سنت کو قائم رکھنے والے، تیرے

لئے غیرت مند، تیرے دین کیلئے سینہ سپر، تیرے رسولوں کے فدائی، پاک محمد مصطفیٰ ﷺ نبیوں کے سردار کے حقیقی فرزند، عاشقِ صادق جن کے عشق کی آگ کبھی دھیمی نہ ہوتی ہو۔

اے میرے مالک! وہ تیرے غلام ہوں ہاں صرف تیرے غلام، دنیا کے بادشاہوں کے سامنے ان کی گردنیں نیچی نہ ہوں لیکن تیرے دربار میں وہ سب سے زیادہ منکسر المزاج ہوں، پاک نسلوں کے چھوڑنے والے، دنیا کو معرفت کی راہوں پر چلانے والے، ایک نہ مٹنے والی نیکی کا بیج بونے والے، نیکوں کو اور اونچا لے جانے والے، بدوں کی اصلاح کرنے والے، مُردہ دلی سے متنفّر اور روحانی زندگی کے زندہ نمونے۔

اے میرے حیّ و قیّوم خدا! وہ اوران کی اولادیں اوران کی اولادیں ابدتک دنیا میں تیری امانت ہوں جس میں شیطان خیانت نہ کر سکے، وہ تیرا مال ہوں جسے کوئی چُرا نہ سکے، وہ تیرے دین کی عمارت کیلئے کونے کا پتھر ہوں جسے کوئی معمار ردّ نہ کر سکے، وہ تیری کھنچی ہوئی تلواروں میں سے ایک تلوار ہوں جو ہر شر کو جڑ سے کاٹنے والی ہو، وہ تیرے عفو کا ہاتھ ہوں جو گناہگاروں کو معاف کرنے کیلئے بڑھایا جائے، وہ زیتون کی شاخ ہوں جو طوفان کے ختم ہونے کی بشارت دیتی ہے، ہاں اے حیّ و قیّوم خدا! وہ تیرا بگل ہوں جو تُو اپنے بندوں کو جمع کرنے کیلئے بجاتا ہے، غرضیکہ وہ تیرے ہوں اور تُو ان کا ہو یہاں تک کہ ان میں سے ہر ایک اس وحدت کو دیکھ کر کہہ اُٹھے کہ:۔

مَن تُو شُدم تُو مَن شُدی مَن تَن شُدم تُو جاں شُدی
تاکس نگوید بعد ازیں من دیگرم تُو دیگری

اٰمِیْنَ ثُمَّ اٰمِیْنَ وَ بِرَحْمَتِکَ اَسْتَغِیْثُ یَارَبَّ الْعٰلَمِیْنَ

## سارہ بیگم کی زندگی

سارہ بیگم کی زندگی کا اگر خلاصہ کیا جائے تو وہ ان تینوں لفظوں میں آجاتا ہے۔ پیدائش، پڑھائی اور موت۔ انہوں نے ہوش سنبھالتے ہی پڑھنا شروع کیا اور شادی سے پہلی پڑھائی تو غالباً علم کی خاطر ہوگی لیکن شادی کے بعد ان کی پڑھائی فقط دین کی خدمت کی خاطر تھی۔ دنیا میں لاکھوں عورتیں پڑھ رہی ہیں ہزاروں ایم۔اے۔ بی۔اے موجود ہیں لیکن سارہ بیگم کی پڑھائی اور ان کی پڑھائی میں ایک فرق تھا۔

## ۱۸ سالہ کورس ۸ سال میں

عام طور پر عورتیں شادی سے پہلے پڑھتی ہیں جب انہیں کوئی فکر نہیں ہوتا۔ سارہ بیگم نے اُس وقت

بھی پڑھائی جاری رکھی جب کہ ان کی شادی ہو چکی تھی۔ایک طرف بچوں کی پیدائش جو نہایت ضعیف کر دینے والا فعل ہے دوسری طرف ایک جماعت کے امام کی بیوی ہونے کے فرائض کی ادائیگی۔تیسری طرف کم وبیش گھر کے کاموں کا انصرام۔چوتھے خاوند کی خدمت۔اس پر مستزاد ایک ایسی تعلیم جو بالکل فارغ رہنے والے طالب علموں کو بھی گھبرا دیتی ہے۔آٹھ سال وہ شادی کے بعد زندہ رہیں اس آٹھ سال کے عرصہ میں انہوں نے چار امتحان دیئے جن میں سے تین میں وہ کامیاب ہوئیں اور آخری امتحان میں بوجہ تعلیم کا پورا سامان نہ ہونے کے وہ فیل ہوئیں۔اس عرصہ میں پانچ بچے انہوں نے جنے، دو کو دودھ پلایا، گھر کے کام کاج اور سلسلہ کے کام کاج میں بھی ایک حد تک حصہ لیا، بچوں کی تربیت بھی کی، اس آٹھ سال میں جو پڑھائی انہوں نے کی وہ سرکاری نصاب میں اٹھارہ سال کی قرار دی گئی ہے گویا اٹھارہ سالہ کورس آٹھ سال میں ختم کیا اور اس کے علاوہ وہ سب ذمہ داریاں ادا کیں جو عام طور پر عورت کی توجہ کو پوری طرح کھینچنے کیلئے کافی سمجھی جاتی ہیں۔میں نے انہیں دیکھا ہے رات کے دو دو بجے تک بستر پر لیٹے ہوئے کتاب پڑھتی رہتی تھیں، نیند بالکل اُڑ گئی تھی، بعض دفعہ کئی کئی دن تک نیند نہیں آتی تھی، مگر صبر اس قدر تھا کہ ہفتوں کی تکلیف کے بعد کبھی ایک دفعہ شکایت کرتی تھیں اور وہ بھی اس زور سے نہیں کہ طبیعت میں ملال پیدا ہو۔

## محض خدا کیلئے حصولِ تعلیم

اس سے بھی زیادہ فرق ان کی تعلیم اور دوسروں کی تعلیم میں یہ تھا کہ دوسری عورتیں اپنے نفس یا اپنی قوم کیلئے تعلیم حاصل کرتی ہیں انہوں نے اپنے آخری سالوں میں محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کیلئے ،اسلام کی خدمت کیلئے تعلیم حاصل کی۔اس لئے اس بوجھ کو اُٹھایا کہ جماعت کی مستورات کی دینی اور دُنیوی ترقی کیلئے مفید ہو سکیں۔غرض پیدائش اور موت کے علاوہ ان کا سب وقت دوسروں کے فائدہ کیلئے خرچ ہوا۔انہوں نے اپنی زندگی سے ایک ذرہ بھر بھی فائدہ نہیں اُٹھایا۔

اس عرصہ میں اپنے بچوں سے عام طور پر جُدا رہیں۔حتّٰی کہ عمر کے آخری سال میں بھی ان کے دو بچے ان سے جُدا تھے وہ ان کی وفات سے صرف تین دن پہلے واپس آئے۔ان کی طبیعت میں بچوں کی محبت عام عورتوں سے بھی زیادہ تھی، بچوں کے دُکھ کو دیکھ کر بہت بے تاب ہو جاتی تھیں لیکن باوجود ایسے جذبات کے انہوں نے محض تعلیم کیلئے بچوں کی جُدائی کو برداشت کیا۔ان کے سے احساسات رکھنے والی عورت کیلئے یہ ایک عظیم الشان قربانی تھی، اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے۔

## امۃ الحی اور سارہ بیگم کی خاص خصوصیات

میری امۃ الحی کو بھی پڑھنے اور پڑھانے کا شوق تھا۔ لیکن وہ زیادہ محنت نہیں کر سکتی تھیں۔ ان کا حافظہ بھی کمزور تھا اس وجہ سے وہ تعلیم کی زبردست خواہش کے باوجود ایک حد سے اوپر علمی ترقی نہیں کر سکیں۔ ہاں ان میں علم پڑھانے کا ملکہ اور شوق سارہ بیگم سے زیادہ تھا اور وہ سارہ بیگم سے زیادہ ذہین تھیں لیکن سارہ بیگم حافظہ اور استقلال کے لحاظ سے امۃ الحی مرحومہ سے بہت زیادہ تھیں۔ امۃ الحی کی مثال ایسی تھی جیسے کوئی پھولوں سے ان کی خوشبو جمع کرتا ہوا چلا جائے۔ سارہ بیگم کی مثال ایسی تھی جیسے کوئی صبر سے انتظار کرے اور جب پھولوں میں بیج آ جائیں تو وہ ان بیجوں کو جمع کرے تا کہ انہیں دوسرے باغیچوں میں بو کر نئے پھول پیدا کرے۔ ایک بجلی کی ایک چمک تھی جو دنیا کو روشن کرتی ہوئی چلی جاتی ہے ایک بارش کی باریک پھوار تھی جو زمین کے اندر دھنس کر نظروں سے اوجھل ہو جاتی ہے۔ اوّل الذکر اُن خوش قسمتوں میں سے تھیں جو اپنی چمک سے لوگوں کی توجہ کو کھینچ لیتے ہیں۔ ثانی الذکر اُن لوگوں میں سے تھیں جو خاموشی سے اپنا خون درخت کی جڑ میں ڈال دیتے ہیں اور ہمیشہ کیلئے فراموش کر دیئے جاتے ہیں۔ اوّل الذکر ایک بڑے باپ کی بیٹی اس کے شاگردوں کے حلقہ میں عزت کے ساتھ زندگی بسر کرنے والی تھی۔ ثانی الذکر اپنے وطن سے دُور اپنے جان پہچان لوگوں سے علیحدہ اجنبیوں میں زندگی بسر کرنے کیلئے آئی اور خاکساری سے اُس نے اپنے دن پورے کر دیئے۔ ایک کو ناز پر غرور تھا تو دوسری کو نیاز کا سہارا۔ ایک سمجھتی تھی میں اِس گھر کے لوگوں میں سے ایک ہوں اور ہر جگہ میرے لئے کُھلی ہے دوسری خیال کرتی تھی ان لوگوں نے رحم کر کے اپنے گھر کا دروازہ میرے لئے کھولا ہے مجھے یہ جہاں بھی بٹھائیں اِن کا مجھ پر احسان ہے۔ بعض دفعہ گھر کے بعض آدمیوں کی طرف سے اُن کے ساتھ سختی کا برتاؤ ہو جاتا تو میں نے دیکھا ہے وہ نسبتاً تحمل کی طرف مائل ہوئیں اور اکثر اس حربہ کو بھی استعمال نہ کرتیں جو قدرت نے عورت کو بخشا ہے یعنی گریہ وزاری سے بھی اپنی طرف توجہ پھرانے کی کوشش نہ کرتیں بلکہ چہرہ سے صبر و تحمل کے آثار ظاہر ہوتے۔ میں طبعًا اس روح کو نہایت محبوب رکھتا ہوں یہ روح میرے نزدیک عارضی تکلیف کا بے شک موجب ہوتی ہے لیکن اس سے اعلیٰ اخلاق کے پیدا ہونے، ہمت کے بلند ہونے اور مصائب کی برداشت کرنے کی عادت میں بہت مدد ملتی ہے۔ ان وجوہ سے میں جان بوجھ کر بھی ایسے موقع پر خاموش رہتا۔ اگر کبھی میں تسلّی دینا ہی ضروری سمجھتا تو اُس وقت میرا ایک لفظ

اُن کے لئے مرہم کافور ہو جاتا اور میرا ایک دلا سا جامِ حیات بخش ۔ میں ایک معیار ان کے لئے تیار کر رہا تھا مگر خدا تعالیٰ کو کچھ اور منظور تھا ۔ میں انہیں اس آگ میں سے گذارنا چاہتا تھا جس میں سے گزرے بغیر بڑے کام کرنے کی قابلیت پیدا نہیں ہو سکتی ۔ دنیا شاید مجھے خود فراموش خاوند تصور کرتی تھی مگر میں ایک معمار تھا جو اپنا قیمتی سامان مینار کی بنیاد میں غرق کرتا چلا جاتا ہے مگر ہم سے بالا ایک ہستی تھی وہ ہم دونوں پر ہنستی تھی وہ کہتی تھی ۔ اے لوگو! یہ نہ تمہاری ہمدردی کے لئے باقی رہے گی نہ اے خاوند! تیری بلندیوں کیلئے ۔ اِسے مَیں نے اپنے لئے چُن لیا ہے ۔ کون ہے جو انکسار کی داد دے ، کون ہے جو عاجزوں کو سینے سے لگائے ، مَیں اور صرف مَیں ۔ پس اپنے ہاتھ اس کے کندھوں پر سے ہٹالو ، اس کا راستہ چھوڑ دو ، اسے میرے پاس آنے دو وہ میری ہے اور میرے ہی پاس آئے گی ۔

اے مخلص باپ کی مسکین بیٹی ! خدا کی تُجھ پر رحمتیں ہوں تُو نے اِس دنیا میں لوگوں کیلئے زندگی بسر کی ۔ خدا تعالیٰ اگلے جہان کو تیرے لئے خوشی کی جگہ بنا دے ، تیرے گناہ مٹائے جائیں اور تیری نیکیاں بڑھیں ۔

**سارہ بیگم کی ایک پاک خواہش** مرحومہ نے جب ایف اے کا امتحان دیا تو مَیں نے اُن سے کہا کہ اب تم سِرے کے قریب پہنچ چکی ہو اللہ تعالیٰ پاس کر دے تو بی ۔ اے کی تیاری کرو ۔ شاید اس طرح تم کو زنانہ سکول میں کام کرنے کا موقع ملے اور سلسلہ کو بغیر مالی بوجھ برداشت کرنے کے ایک ہیڈ مسٹرس مل جائے انہوں نے اس کا ارادہ تو کر لیا لیکن اُن کے ایک استاد ماسٹر محمد حسین صاحب کی روایت ہے کہ مرحومہ کہا کرتی تھیں کہ میں نے آگے تب پڑھنا ہے جب میں حضرت صاحب سے وعدہ لے لوں گی کہ وہ خود مجھے قرآن کریم کی تفسیر پڑھائیں ۔

اے اپنی قربانیوں کا بدلہ قرآن پڑھنے کی صورت میں چاہنے والی ! تیری ایسی پاک خواہش کا صلہ اس قدر حقیر نہ تھا کہ مجھ سا کم علم تجھے قرآن پڑھائے ۔ جا ! تیری اس پاک و بلند خواہش کا صلہ تیرا رب دینا چاہتا ہے ، جا اور اُس سے قرآن پڑھ جس نے قرآن اُتارا ہے ۔ اُس سے زیادہ اس پاک کلام کے معارف کون سکھا سکتا ہے ؟ مگر میں بھی تیری اِس پاک خواہش کی عزت کرتے ہوئے اِنْشَاءَ اللّٰہُ تیرے نام پر قرآن کی کوئی خدمت کروں گا تا تیری خواہش لفظاً بھی پوری ہو اور اگر اللہ تعالیٰ کی مشیّت مجھے ابھی کچھ عرصہ کیلئے اور اس دنیا میں رکھنا چاہتی ہے تو اِنْشَاءَ اللّٰہُ تیری

اولاد کو خود قرآن پڑھاؤں گا تا اِن کی معرفت تجھے صدقہ جاریہ پہنچتا رہے۔

**مرحومہ ادب کے مقام پر کھڑی تھیں**

بیوی میاں کے تعلقات ایسے ہیں کہ کبھی نہ کبھی ان میں بعض امور کے متعلق رنجش بھی ہو جاتی ہے۔ ممکن ہے کبھی کوئی چھوٹی موٹی رنجش مرحومہ کو بھی مجھ سے ہوئی ہو، ممکن ہے کبھی کسی امر میں انہوں نے کامل فرمانبرداری نہ کی ہو لیکن عام طور پر اُن کا طریق نہایت فرمانبرداری کا تھا۔ وہ مجھے تکلیف سے بچانے کیلئے دوسری بیویوں کے مقابل میں خود تکلیف برداشت کر لیتی تھیں اور کبھی اونچی آواز سے یا بے ادبانہ لہجہ میں وہ مجھ سے ہمکلام نہیں ہوئیں۔ ادب کا یہ مقام ایسا اعلیٰ تھا کہ اُن کے رشتہ داروں کی طرف سے بھی ہمیشہ مجھ سے ادب کا ہی معاملہ رہا۔ میری کوئی بیوی ایسی نہیں جسے میں اس امر میں اُن کے مقابل پر رکھ سکوں۔ بعض نے خود اس نظریہ کو نظر انداز کر دیا کہ اُن کا خاوند صرف ان کا خاوند نہیں بلکہ خلیفۂ وقت بھی ہے اور یہ کہ ان کی بے ادبی دوسرے لوگوں کے دلوں میں بھی بے ادبی کے احساسات پیدا کر سکتی ہے، بعض کے رشتہ داروں کی حرکات میرے لئے تکلیف کا موجب ہوئی ہیں اور بعض دفعہ تو ایسی سخت کہ دشمن سے دشمن کا فعل ان کے افعال کے مقابل میں حقیر ہو گیا ہے لیکن سارہ بیگم کا اپنا رویہ یا ان کے رشتہ داروں کا رویہ نہایت اعلیٰ اور ہمیشہ مقامِ ادب پر قائم رہنے والا رویہ تھا۔ ان کی طرف سے کبھی کوئی ایسی بات نہیں ہوئی جس میں گُستاخانہ یا بے ادبانہ رنگ ہو اور ان کے رشتہ دار کبھی مجھے اپنا عزیز سمجھ کر گُستاخ نہیں ہوئے۔ وہ مجھے خلیفہ ہی سمجھتے رہے اور اسی رنگ میں انہوں نے مجھ سے ہمیشہ سلوک کیا۔ اس خاندان کا یہ فعل ایسا قابلِ قدر ہے کہ میں سمجھتا ہوں انہیں ضرور اِس دنیا اور آخرت میں اعلیٰ مدارج پر فائز کرے گا اور اِن کی نسلیں اس عمل کا نیک بدلہ پائیں گی۔ میرا علم یہی ہے آگے اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

سارہ بیگم کے استاد ماسٹر محمد حسین صاحب کی گواہی بھی اس کے عین مطابق ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

> ''ایک بات جس نے میرے دل پر گہرا اثر کیا، وہ یہ تھی کہ آپ کی عظمت اور جبروت کے گہرے نقوش وہ اپنے دل پر لئے ہوئے تھیں اور کبھی پڑھنا نہیں شروع کیا جب کہ کسی نہ کسی رنگ میں اس بات کا اثر مجھ پر نہ پڑا ہو کہ اُن کو خدا نے وہ نظرِ تعمّق بخشی ہے جس سے انہوں نے حضور کی شخصیت کے عمق کو ناپا ہے اور آپ کی وُسعت کا نظارہ کیا ہے اور جب بھی بیماری کی حالت میں انہوں نے پڑھنا تو میں نے کہنا کہ آپ

کیوں نہیں پڑھنا چھوڑ دیتے تو ہمیشہ یہ جواب ملتا کہ میں حکم کی بندی ہوں، میری کوئی چیز بھی اپنی نہیں''۔

حضور! میں سچ عرض کرتا ہوں کہ میری عقیدت جو آپ کی ذات سے ہے، اگر اس میں شعور بخشا تو مرحومہ کے اُس علم نے جو اُس کو خدا نے آپ کے متعلق عطا فرمایا تھا۔''

پھر لکھتے ہیں کہ جب امتحان کے سنٹر کا سوال تھا تو میں نے اُن سے جب تاکید سے کہا کہ وہ حضور سے کہیں تو کہنے لگیں۔

''ماسٹر صاحب! آپ کو کیا علم ہے کہ میری طبیعت پر حضرت صاحب کا رُعب کتنا غالب ہے۔ میں تو اُن کی موجودگی میں مرعوب رہتی ہوں جب میں اپنے آپ کو دیکھتی ہوں اور پھر اُن پر نظر ڈالتی ہوں تو شرمندہ ہو جاتی ہوں''۔

پھر لکھتے ہیں کہ:۔

''وہ فیل ہونے سے بڑی گھبراتی تھیں۔ میرے پوچھنے پر کہ وہ آخر اتنا کیوں گھبراتی ہیں؟ تو اِس کا جواب بھی یہی دیتیں کہ میرے فیل ہونے سے حضرت صاحب کی تجاویز فیل ہوتی ہیں''۔

## مرحومہ کا علم سیکھنے کا شغف اور اخلاق

مرحومہ کو علم کے حصول کیلئے جو شغف تھا اس کے متعلق انہی ماسٹر صاحب کا ایک اور فقرہ درج کرتا ہوں وہ لکھتے ہیں۔

''میں نے ہمیشہ دیکھا کہ مطالعہ میں خود فراموشی کی سی حالت رہتی تھی اور ایسا احساس ہوتا تھا کہ واقعی وہ ایک مشین ہیں اور کوئی چلانے والا ہے جس کے اشارہ پر وہ چل رہی ہیں''۔

ان کے ایک اور استاد چوہدری ظفر اللہ خاں صاحب کے چھوٹے بھائی چوہدری عبداللہ خاں صاحب بی۔اے لکھتے ہیں۔

''آج چوہدری فضل داد صاحب کلرک قبلہ برادرم چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کے خط سے معلوم ہوا ہے کہ محترمہ سیدہ آپا جان سارہ بیگم صاحبہ اپنے خالق و مالکِ حقیقی سے جا ملی ہیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ حضور! جس قدر صدمہ حضور کے گنہگار خادم اور آمنہ (ان

کی اہلیہ ) کو ہوا ہے وہ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔آمنہ نے جس وقت سے سنا ہے وہ پڑی ہوئی ہے اور رو رہی ہے۔حضور کا خادم فوراً حاضر ہوتا اور محترمہ سیدہ موصوفہ مرحومہ خَلَدَ اللّٰہُ مَکَانَهَا کے مزار مبارک پر پہنچتا مگر یہ گنا ہگار شومیٔ قسمت سے اِس وقت فمِ معدہ کے دورہ میں مبتلاء بستر پر پڑا ہے اور اسی حالت میں یہ عریضہ لکھ رہا ہے۔اللہ تعالیٰ مرحومہ کو جوارِ رحمت میں جگہ دے۔آمین۔جنازہ غائب اِنْشَاءَ اللّٰہُ پڑھا جائے گا۔حضور! حضور کی ازواجِ مطہرات تمام کی تمام ہم گنہ گاروں کیلئے بے حد قابلِ عزت وتکریم ہیں اور مجھ گنہ گار کے دل میں مرنے تک یہ عزت قائم رہے گی مگر آپا محترمہ سیدہ حضرت امۃ الحی مرحومہ خلد اللّٰہُ مَکَانَهَا کے بعد آپا جان محترمہ سیدہ سارہ بیگم صاحبہ مرحومہ خلد اللّٰہ مَکَانَهَا ایک لعلِ بے بہا اور درخشندہ گوہر تھیں، وہ ایک انمول موتی تھیں، وہ سلسلہ عالیہ میں ایک بہت بڑا رکن تھیں۔اَلْحَمْدُلِلّٰہِ عَلٰی ذَالِکَ کہ مجھے اُن کی خدمت کا شرف تھوڑا سا عرصہ حاصل ہوا ہے۔(چوہدری صاحب انہیں فلاسفی پڑھاتے رہے ہیں۔جَزَاھُمُ اللّٰہُ اَحْسَنَ الْجَزَاءِ) اور اس قلیل عرصہ میں مَیں نے اُن میں ایسی خوبیاں دیکھیں کہ تمام عمر فراموش نہیں ہوسکیں گی اور تمام عورتوں کیلئے اُن کی زندگی مشعلِ راہ ہے۔امورِ خانہ داری، بچوں کی دیکھ بھال، لجنہ کا کام پھر تعلیم حاصل کرنے کا اِس قدر شوق یہ سب کچھ اُن کی ذات ہی سے ہوسکتا تھا''۔

یہ تو دو استادوں کے خطوط ہیں۔ایک غیر مذہب کی معزز خاتون جو ایف۔اے کے امتحان کی نگران ہوکر آئی تھیں، یعنی مسز سنگھا جو مسٹر سنگھا کنٹرولر آف اگزیمینیشن پنجاب یونیورسٹی کی اہلیہ صاحبہ ہیں تحریر فرماتی ہیں:۔

''سارہ بیگم ایک نہایت ہی بااخلاق عورت تھیں۔مجھے انہیں صرف چند دن دیکھنے کا موقع ملا۔(یعنی جب وہ امتحان کی نگرانی کیلئے تشریف لائی تھیں) لیکن انہوں نے میرے دل میں اِس حد تک اپنا گھر بنالیا کہ میرے لئے یہ خیال کرنا بھی ناممکن ہے کہ وہ اب اِس دنیا میں نہیں ہیں''۔

## سارہ بیگم کی عادات

وہ خاموش منکسر المزاج اور ہمدردانہ رنگ رکھنے والی تھیں، لیکن ہنسی اور مزاح کی عادی نہ تھیں، وہ مزاح کو سمجھنے کی بھی اہلیت نہ رکھتی تھیں اور مولویانہ سا رنگ اُن پر غالب تھا۔چونکہ ہمارا خاندان مزاح کا زبردست میلان رکھتا ہے اور باوجود سنجیدگی کے خوش مزاج ہے کئی دفعہ اس وجہ سے غلط فہمی ہو جاتی میں کبھی

ان سے ہنسی مذاق کی بات کرتا تو وہ اسے سنجیدگی پر محمول کرتیں اور کئی دفعہ انہیں یہ یقین دلانے میں کہ یہ ہنسی تھی، اچھی خاصی دقّت ہوتی۔ جب وہ شروع میں آئیں تو چندہ دینے پر اس قدر دلیر نہ تھیں یعنی ماہوار چندہ کے علاوہ دوسرے چندوں میں زیادہ دلیری سے حصہ نہیں لیتی تھیں لیکن آہستہ آہستہ یہ نقص دور ہو گیا تھا۔ ہاں تکلّف ان کی طبیعت میں نہ تھا، نمائش نہ تھی، وہ جو کچھ دیتیں، خدا کیلئے دیتی تھیں۔ اُن کی وفات پر درد صاحب کی ہمشیرہ نے مجھے پیغام بھجوایا کہ بیماری کی حالت میں کہتی تھیں کہ میں نے توسیع مسجد اقصیٰ کے لئے ایک سَو روپیہ چندہ دینے کی نیت کی ہوئی ہے اور اپنا گلوبند بیچ کر اس میں سے اس رقم کو ادا کرنا ہے اگر میں مرگئی تو حضرت صاحب سے کہنا کہ میری طرف سے میرا گلوبند فروخت کر کے سَو روپیہ چندہ توسیع مسجد اقصیٰ میں دے دیں۔ چونکہ اُن کے پاس دو تین سَو کی مالیت کے دو تین زیور تھے مجھے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا طریقِ عمل یاد آ گیا۔ ایک دفعہ آپ کے ایک داماد ایک جنگ میں قید ہو کر آئے آپ نے دوسرے قیدیوں کی طرح اُن سے بھی فدیہ طلب کیا انہوں نے اپنی بیوی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فِدَاہُ جِسْمِیْ وَ قَلْبِیْ کی صاحبزادی کو کہلا بھیجا کہ روپیہ کا انتظام کرو۔ ان کے پاس اور تو کچھ نہ تھا والدہ کا دیا ہوا ایک ہار تھا، وہی بھجوا دیا۔ جس وقت وہ ہار رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سامنے آیا تو آپ کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے اور آپ نے صحابہ کو بُلا کر کہا کہ یہ ہار خدیجہ مرحومہ نے اپنی بیٹی کو دیا تھا اگر چاہو تو بِن ماں کی بچی کو اُس کی ماں کی یادگار واپس کر دو۔ صحابہ جو اپنی جان و مال آپ پر فدا رکھتے تھے، اِس نظارہ کو دیکھ کر بے تاب ہو گئے اور عرض کیا یَا رَسُوْلَ اللّٰہ! ہمارے مال و جان آپ پر فدا ہوں زینب کو اُن کا ہار واپس فرمائیے اور اُن کے خاوند کو آزاد۔ ہم ہرگز نہیں چاہتے کہ ان سے کوئی فدیہ لیا جائے۔ مجھے بھی یہ واقعہ یاد آیا اور میں نے کہا۔ ماں کی کوئی یادگار تو اس چھوٹی سی بچی کے پاس رہنی چاہیئے جو بڑی ہو کر اپنی ماں کی صورت بھی یاد نہ کر سکے گی اور روپیہ اپنے پاس سے ادا کر کے گلوبند عزیزہ امۃ النصیر سلمہا اللہ تعالیٰ کیلئے رکھ لیا۔ اللہ تعالیٰ اِس ہار کو اس کے لئے دنیا کی محبت کا ذریعہ نہ بنائے بلکہ اسے یہ سبق دیتا رہے کہ جس طرح اِس کی ماں نے یہ ہار خدا کی راہ میں قربان کرنا چاہا تھا اسی طرح اسے بھی چاہیئے کہ جو کچھ بھی خدا اسے دے، وہ اسے نیکی کی راہ میں خرچ کرتی جائے۔ اَللّٰھُمَّ اٰمِیْنَ۔

مرحومہ نہایت کم گو تھیں لیکن تقریر کر سکتی تھیں، مضمون اچھا لکھ سکتی تھیں، آیاتِ قرآنیہ سے

استدلال کر سکتی تھیں، بحث مباحثہ بھی کر لیتی تھیں، طبیعت میں ضدّ نہ تھی، اگر معقول بات کی جائے تو اسے تسلیم کر لیتی تھیں، فضول خرچ نہ تھیں، ہمیشہ اپنی آمد کے مطابق خرچ کرتیں، بعض ہم عصر کنجوسی وغیرہ کا الزام لگاتیں لیکن اس کی پرواہ نہ کرتیں، ہمیشہ اپنی آمد کے اندر خرچ رکھتیں۔

امۃ الحی اس کے مقابل پر آمد سے زیادہ خرچ کر بیٹھتی تھیں۔ اُن کی وفات پر سینکڑوں روپیہ قرض نکلا جو میں نے فوراً ادا کر دیا لیکن سارہ بیگم کی وفات پر ایک پیسہ کا قرض بھی جو ان کے حساب میں ہو اب تک میرے سامنے نہیں آیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ادب انتہا درجہ کا تھا اور اس سبب سے حضرت (اماں جان) اور میری ہمشیرگان کا بھی بے حد ادب کرتی تھیں۔ وفات سے آدھ گھنٹہ پہلے ان کی کمزوری کو دیکھ کر حضرت (اماں جان) پر رقّت طاری ہوگئی تو باوجود اس کے کہ جان کنی کا وقت شروع ہونے والا تھا بے تاب ہو کر آپ کے گلے میں باہیں ڈال دیں اور رو کر کہا کہ اماں جان! آپ روئیں نہیں، میں تو اَب اچھی ہوں۔

طبیعت میں جو ایک قسم کی خشکی تھی اس کی وجہ سے بیویوں کی طرح سے بے تکلّفانہ بات نہیں کر سکتی تھیں۔ وفات سے چند دن پہلے مَیں لاہور سے آیا اور بچوں کیلئے کچھ مٹھائی لایا اس میں سے دو چار ڈلیاں میرے ہاتھ میں تھیں دو بیویاں سامنے تھیں انہیں مَیں نے ایک ایک ڈلی دی پھر خود ایک ڈلی کھالی اور اس کی تعریف کی کہ یہ بہت اچھی ہے۔ میری ایک بیوی نے ایک اور ڈلی میرے ہاتھ سے لے لی کہ یہ میں کھاؤں گی۔ ایک ڈلی رہ گئی تھی وہ میں نے پاس میز پر یہ دیکھنے کیلئے رکھ دی کہ کیا سارہ بیگم وہ ڈلی لیتی ہیں۔ وہ آگے بڑھیں کہ یہ میں کھاؤں گی اور میری طرف دیکھا۔ چونکہ میں تو ان کا امتحان ہی کر رہا تھا میں خاموش ہو رہا۔ پاس جا کر یہ کہتی ہوئی لوٹ آئیں کہ اچھا میں نہیں لیتی۔ ان کے چہرہ سے صدمہ معلوم ہوتا تھا کہ میں نے کیوں نہیں کہا کہ تم شوق سے کھالو اور میرا دل غمگین تھا کہ انہوں نے کیوں خود اُٹھا کر نہیں کھائی۔ ہم میں سے ہر ایک اپنے آپ کو مظلوم سمجھتا تھا۔ ہم دونوں دل شکستہ تھے۔ آہ! محبت بھی عجیب شَے ہے۔ وہ ایک کے دل میں کچھ خیال پیدا کرتی ہے اور دوسرے کے دل میں کچھ۔ وہ دودھاری تلوار ہے جو دو طرف وار کرتی ہے۔ مگر وہ دن گئے اب تو ان پر حقیقت کُھل چکی ہوگی۔ اب امتحانوں کا زمانہ گیا نتیجے نکل چکے۔ اب وہاں انہیں معلوم ہو چکا ہوگا کہ مجھے اُن سے کس قدر محبت تھی۔ غم تو میرے دل کیلئے ہے جس پر اس رنگ میں حقیقت اب تک نہیں کھلی۔ امۃ الحی مرحومہ اس میں ان سے مختلف تھیں وہ ایسے موقع پر ناز سے لیکن ادب کے ساتھ اپنا حق لئے بغیر نہ رہتیں۔

سلسلہ کیلئے ان کے دل میں بڑی غیرت تھی۔ وہ کبھی پیغامیت کی روح کو سمجھ ہی نہیں سکیں۔ سلسلہ کی کامیابیوں پر جو انھیں خوشی ہوتی وہ دیکھنے کے قابل ہوتی تھی۔

## ہمارے تعلقات

شادی کے وقت سے چونکہ مَیں ان کے متعلق یہ وعدہ کر چکا تھا کہ سلسلہ کی خدمت کیلئے انہیں تیار کروں گا اس لئے عام طور پر ایسا رویہ اُن سے رکھا کہ دل دُنیوی خواہشات کی طرف مائل نہ ہو۔ وہ بھی اس امر کو سمجھتیں اور کئی دفعہ پڑھائی کے دنوں میں اپنی باری کو چھوڑ دیتیں چنانچہ وفات سے پہلے بھی امتحان کی تیاری اور پھر امتحان کی وجہ سے باری چھٹی ہوئی تھی۔ کمزور تھیں زیادہ خدمت نہ کر سکتی تھیں لیکن بوجہ سمجھدار ہونے کے جو کام کرتیں اچھا کرتیں۔ ہم دونوں اپنے دل میں یہ خیال رکھتے تھے کہ ہمیں اپنی محبت کو اُس وقت تک دبائے رکھنا چاہئے کہ جب تک وہ تعلیم سے فارغ ہو جائیں۔ وہ بوجہ کمزور ہونے کے بعض دفعہ اِس سے زیادہ تکلیف محسوس کرتیں مگر پھر سمجھانے سے سمجھ جاتیں۔ درحقیقت چند راتوں کے سِوا انہوں نے حقیقی معنوں میں شادی کی زندگی کا لُطف نہیں دیکھا اور ان کی زندگی معنوی رنگ میں کنوار پنے کی زندگی کہلانی چاہئے۔ مجھ میں اور ان میں ایک اختلاف رہتا تھا۔ مجھے اس امر سے نفرت ہے کہ میری بیوی اپنی ضرورت کو لکھ کر پیش کرے ان کو بوجہ ادب کے زبانی بات کرنے سے حجاب تھا اس وجہ سے کئی دفعہ بدمزگی ہو جاتی۔ میں مُصِرّ تھا کہ جو کچھ کہنا ہو زبانی کہو اور وہ بوجہ حجاب پھر تحریر کی طرف متوجہ ہو جاتیں۔ اس کے سِوا مجھے نہیں یاد کہ کوئی اہم اختلاف طبائع میں ہو۔ باقی چھوٹے موٹے اختلاف تو ہوتے ہی رہتے ہیں۔ مٹھائی کے متعلق جو اوپر واقعہ لکھ آیا ہوں وہ بھی جوہر کے لحاظ سے اسی قسم کے واقعات میں سے ہے۔

## سارہ بیگم کی وفات

تعلیم اور فکروں نے کمزور کر دیا تھا، جسم نحیف اب اس دنیا کے بوجھ اُٹھانے کی زیادہ طاقت نہیں رکھتا تھا میرا ارادہ تھا کہ جلد انہیں لے کر کسی پہاڑ پر جاؤں کہ کشمیر کمیٹی کے کام کی وجہ سے ایک ہفتہ سفر ملتوی کرنا پڑا، اتنے میں عزیزم کیپٹن تقی الدین احمد صاحب کی طرف سے پیغام آیا کہ آپ میری ہمشیرہ کو لے کر چند دن کیلئے آئیں انہیں ان کی ملاقات کیلئے راولپنڈی لے گیا۔ میرے جانے کے دوسرے دن بعد بھاگلپور سے بچے آئے چونکہ موٹر میرے ساتھ گئی ہوئی تھی بچوں کے کپڑے لینے کیلئے گھر آئیں چونکہ حمل کی وجہ سے تکلیف پہلے سے تھی پیدل گھر آنے اور کپڑے نکالنے کے کام سے تکلیف بڑھ گئی۔ اگر وہاں سے ہی واپس چلی جاتیں تو شاید تکلیف اس قدر نہ ہوتی۔ بچوں کو حضرت (اماں

جان ) اور میری چھوٹی ہمشیرہ کو ملوانے برادرم نواب محمد علی خان صاحب کی کوٹھی پر لے گئیں، اس سے رہی سہی طاقت زائل ہوگئی، طبیعت پر اس قدر بوجھ تھا کہ کوٹھی سے چلتے ہوئے میری ہمشیرہ کو گلے لگا کر ملیں اور کہا کہ آئیں آخری دفعہ کیلئے گلے تو مل لیں۔ انہوں نے منع کیا کہ ایسی باتیں کیوں کرتی ہو تو کہا کہ میری حالت ایسی ہے کہ شاید اب کے جانبر نہ ہوسکوں گی۔ بعض لوگوں سے ہماری واپسی کے متعلق دریافت کیا کہ وہ کب آئیں گے جب کسی نے کہا کہ جلد ہی آجائیں گے تو کہا کہ خیر ملاقات تو ہو جائے گی۔ یہ سب طبیعت کی کمزوری کا مظاہرہ تھا۔ گھر پہنچیں تو دردِ زِہ شروع ہوگئی اور خون آنے لگا۔ ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب نے ساری رات جاگ کر کاٹی اور علاج کا کوئی دقیقہ باقی نہ رکھا ہاں دوسرے ڈاکٹروں سے مشورہ کے معاملہ میں اُن سے کوتاہی ہوئی اسی طرح دوسرے ذمہ دار کارکنوں سے یہ غلطی ہوئی کہ مجھے مناسب طریق پر اور جلد جلد اطلاع نہ دی۔

انہیں یہ احساس تھا کہ مجھے بیمار چھوڑ کر چلے گئے ہیں حالانکہ واقعہ یہ تھا کہ میں نے ڈاکٹر صاحب سے پوچھا تھا کہ کیسی حالت ہے اور انہوں نے تسلی دلائی تھی کہ قوت بہت کافی ہے اور کوئی خطرہ نہیں۔ مگر خیر انہیں یہ احساس تھا اور اب کہ واقعات نے انہی کی تصدیق کی ہے ان کے احساس کو حق بجانب کہنا پڑتا ہے خیر اس احساس کے ماتحت جب تک انہیں یہ خیال نہیں ہوا کہ بیماری سخت ہے وہ مجھے اطلاع دینے سے خود روکتی رہیں اور کہتی رہیں انہیں تار نہ دو انہیں تکلیف ہوگی۔ جہاں تک میرا خیال ہے اُس وقت اُن کا یہ کہنا میری تکلیف کے خیال سے نہ تھا بلکہ ایک شکوہ کا رنگ تھا۔ جب طبیعت زیادہ خراب ہوئی تو نہایت درد سے بار بار لوگوں سے کہا کہ حضرت صاحب کو اور میرے ابّا کو تار دو لیکن افسوس کہ پاس کے لوگوں کو ایسا ذھول ہوا کہ کسی نے تار نہ دی یہاں تک کہ اُن کا وقت قریب آ گیا۔ آخری وقت کے قریب میری تصویر جو ان کے کمرہ میں لٹک رہی تھی اُس کی طرف دیکھا، ایک آہ بھری اور سر کو اس طرح جُنبش دی جس طرح کہتے ہیں کہ لو اب ہم جاتے ہیں اور کہا کہ اب میری آنکھوں کے آگے بھی اندھیرا آ گیا ہے، اب میرا آخری وقت ہے ڈاکٹر صاحب کو بلایا گیا جو پاس ہی دوسرے کمرے میں بیٹھے تھے ایک دو منٹ میں وہ آ گئے مگر اتنے میں وہ بے ہوش ہو چکی تھیں اور چند ہی منٹ بعد انہوں نے اپنے پیدا کرنے والے کو جان سپرد کر دی اور اسی شعر کے مطابق جو انہوں نے قادیان آنے سے پہلے لکھا تھا۔ حضرت مسیح موعود کے قدموں میں خاک ہو کر جا پڑیں۔

بر آستان آنکہ زخود رفت بہرِ یار

چوں خاک باش و مرضی یارے دراں بجو

**اس مضمون کی غرض** میری اس مضمون کے لکھنے سے ایک تو یہ غرض ہے کہ مرحومہ کے نیک اذکار کو دنیا میں قائم رکھنے کی کوشش کروں تا کہ جب انکی اولاد اللہ تعالیٰ کے فضل سے جوان ہو تو ان کی نیکیوں کی پیروی کی کوشش کرے۔ دوسرے میں مستورات کو بتانا چاہتا ہوں کہ ان کی تعلیم اور مرحومہ کی تعلیم میں ایک فرق ہے۔ دوسری مستورات اپنی ذاتی اغراض کیلئے تعلیم حاصل کر رہی ہیں لیکن مرحومہ کی غرض صرف خدمتِ دین تھی اور اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی۔ پس ان میں سے بھی جسے اللہ تعالیٰ توفیق دے وہ دنیا طلبی کا خیال چھوڑ کر خدا کی رضا کو مقدم رکھے۔ میں دیکھتا ہوں کہ اِس وقت قادیان میں ہمارے گھر کی مستورات کو دیکھ کر تعلیم کا عام چرچا ہے لیکن بہت سی لڑکیاں محض روٹی کمانے کے لئے اور نوکری کرنے کیلئے پڑھ رہی ہیں حالانکہ عورت کا کام نوکری کرنا نہیں ہے۔ یہ عورتوں کی ملازمتوں کا دستور مغربیت کی لعنتی یادگاروں میں سے ایک یادگار ہے۔ اسلام نے روپیہ بہم پہنچانا مرد کے ذمہ لگایا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اَلرِّجَالُ قَوّٰامُوْنَ عَلَی النِّسَاءِ بِمَافَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰی بَعْضٍ وَّبِمَا اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ [۴] یعنی مرد عورتوں پر بطور نگران مقرر ہیں اس وجہ سے بھی کہ اللہ تعالیٰ نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔ یعنی مرد کو نگرانی کے مواقع اور نگرانی کی قوتیں زیادہ عطا فرمائی ہیں اور اس وجہ سے بھی کہ مرد کا کام ہے کہ وہ عورت کی ضرورتوں کو مہیا کرے اور اس پر اموال خرچ کرے۔

پس نیک عورتوں کو چاہئے کہ بجائے کسی دوسری طرح اپنے اوقات خرچ کرنے کے مردوں کی حفاظت اور نگرانی میں اپنے وقت بسر کریں اور مردوں کی غیر حاضری میں جب کہ وہ کسبِ معیشت کیلئے باہر گئے ہوئے ہوں اللہ تعالیٰ کی مدد سے ان امانتوں کی حفاظت کریں جوان کے سپرد کی گئی ہیں۔ یعنی امور خانہ داری کی طرف متوجہ ہوں، بچوں کی تربیت کریں، گھر اور محلّہ کے اخلاق کو درست رکھیں وغیرہ وغیرہ۔ مگر افسوس کہ یہ آیت اور اسلام کے اصل کو بعض اہلِ قادیان بھول رہے ہیں اور مغرب کی نقل میں اندھا دھند بغیر اس مقصد کو سمجھنے کے جس کیلئے میں تعلیم دِلوا رہا ہوں، ایک غلط راستہ کے پیچھے پڑ گئے ہیں۔ ہمارے مردوں کو تو مغرب نے اپنا غلام بنا لیا، عورتیں باقی تھیں اگر وہ بھی اسی طرح مغرب کی غلامی میں چلی گئیں تو دین کی خبر گیری کون کرے گا۔ مرد تو خیر حالاتِ زمانہ سے مجبور ہو رہے ہیں عورتوں کو کیوں اسی کنویں میں دھکیلا جائے جس میں سے

نکالنے کیلئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام مبعوث ہوئے تھے۔ عورتوں کیلئے بے شک انگریزی کی تعلیم اس وقت تک ضروری ہے جس وقت تک کہ اردو یا عربی ہم لوگوں کو دنیا میں تبلیغ کرنے کے قابل نہیں بنا سکتی اس وقت تک بے شک انگریزی کی تعلیم عورتوں کیلئے مفید ہی نہیں بلکہ بعض حالات میں ضروری ہے لیکن ایسی ہی تعلیم جس میں انگریزی بولنے کی قابلیت جو اصل مقصود ہے، حاصل ہوتی ہو۔ یا ایک محدود تعداد کیلئے ایسی تعلیم جس کے ذریعہ سے ڈاکٹری وغیرہ کی قسم کے پیشے یا جماعت کی تعلیمی ضروریات پوری ہوسکیں اس سے زیادہ انہماک جماعت کے اخلاق اور اسلامی تمدن کیلئے سخت مُضِرّ اور مُہلک ثابت ہوگا۔ غرضیکہ ایک میرا مقصد یہ ہے کہ میں بتاؤں کہ میں جو تعلیم دلاتا رہا ہوں، اُس کا مقصد دنیا طلبی کی طرف جماعت کو متوجہ کرنا نہیں بلکہ تبلیغ کے ذرائع کو وسیع کرنا اور عورتوں کے خیالات کو تعلیم کی روشنی سے منور کرنا ہے۔ پس اگر جہالت کی تاریکی کی جگہ الحاد کی تاریکی نے لے لی تو میرا مقصد ہرگز پورا نہ ہوگا بلکہ اُلٹا جماعت کو نقصان ہوگا۔

میں جانتا ہوں کہ میرے ارادے زمانہ کی ہوا کے خلاف ہیں اور خود ہماری جماعت کے لوگوں میں سے ایک طبقہ یقیناً اِس کی مخالفت کرے گا۔ گو وہ خاموش مخالفت ہوگی نہ کہ نمایاں اور لفظی لیکن میں ان باتوں سے نہیں ڈرتا۔ میں جانتا ہوں کہ اِس وقت اسلام کیلئے سب سے زیادہ زبردست قلعہ عورتوں کے دماغوں میں بنایا جاسکتا ہے اور اِس قلعہ کی تعمیر اسی صورت میں ممکن ہے کہ عورتوں کی تعلیم کی سکیم پورے طور پر اپنی دینی ضرورتوں کو مدنظر رکھ کر بنائی جائے اور انہیں اِس قابل کر دیا جائے کہ وہ اپنے بچوں اور بھائیوں کو اس مقام پر کھڑا رکھیں جس پر سے ہٹانے کیلئے حوادثِ زمانہ کی آندھیاں اپنا پورا زور لگا رہی ہیں۔ یہ کام بہت بڑا ہے اور مَیں ایک کمزور انسان ہوں لیکن میرا رب جس پر میرا بھروسہ ہے میری مدد کرے گا اور اندرونی اور بیرونی مخالفتوں کو زائل کر کے مجھے یقیناً کامیاب کرے گا کیونکہ اسلام اُس کا دین ہے اور احمدیت اُس کے اپنے ہاتھوں کا لگایا ہوا پودا ہے۔ پہلے کام کب میری لیاقت سے ہوئے کہ یہ کام میری لیاقت سے ہوگا۔ میں تو اپنی زندگی کو دیکھتا ہوں تو اسے ایسی کامیابیوں کا مجموعہ پاتا ہوں جو انجام سے پہلے ہر ظاہر بین کی نظر میں ناکامیاں نظر آتی تھیں۔ مجھے خدا تعالیٰ اپنے فضل سے ایسے انصار عطا فرمائے گا جو اِس سکیم کو لے کر کھڑے ہو جائیں گے اور ایسی تأثیر عطا فرمائے گا جو دلوں کو مسخّر کر لے گی یہاں تک کہ ہم اسلام کیلئے ایک قلعہ بنانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ ایک ایسا قلعہ جس

پر کُفر کے حملے پاش پاش ہو کر رہ جائیں گے اور اسلام پھر تازہ دم ہو کر ایک نئی دُلہن کی طرح ناز سے باہر نکلے گا اور بغیر تکلیف کے دشمنوں کے گھر پر قبضہ کر لے گا۔ میں اپنے سامنے ایک لشکر دیکھتا ہوں بغیر توپوں کے، اور ایک گروہ دیکھتا ہوں بغیر تلواروں کے، دنیا کے سب تِلْوَرْ یے [۵] اور اِس جہان کے سب توپ خانے اس پر حملہ کرتے ہیں، وہ اپنی طاقت سے اس نہتے گروہ کو پیسنا چاہتے ہیں، وہ بڑھے چلے آتے ہیں اور زور سے حملہ کرتے ہیں اور زیادتی میں بڑھتے چلے جاتے ہیں، زمین کی چھاتی کانپتی ہے، وہ اپنی کمزور اولاد کیلئے چلاّتی اور واویلا کرتی ہے، خدا کے مقدسوں کے مزار ہل جاتے ہیں اور آسمان کے ستاروں کے سینے شق ہو جاتے ہیں، تب فوج در فوج خدا کے فرشتے آسمان سے اُترتے ہیں، تاریکی دُور ہو جاتی اور نور پھیل جاتا ہے۔ وہ جو ناممکن کہا جاتا تھا ممکن ہو جاتا ہے اور خداوند خدا جو سَیِّدِ وُلْدِ اٰدَم کا خدا ہے، جو بنو فارس کے پہلوان کا خدا ہے، وہ اپنے جلال کے تخت پر اُترتا ہے اور اپنی بادشاہت کی باگ کمزور کے ہاتھ میں دے دیتا ہے، ہاں جب یہ سب کچھ ہو چکے گا تب وہ کلام جو خدا نے مسیح ناصری کی زبان پر فرمایا تھا، پورا ہوگا اور وہ مقدس دُلہنیں جو شمع ہاتھ میں لئے اپنے دولہا کا انتظار کر رہی تھیں اور تیل اور فتیلہ لئے چوکس اور تیار کھڑی تھیں، آسمان سے اپنے مسیح کو اُترتے ہوئے دوبارہ دیکھیں گی اور بے اختیار ہو کر چلاّ اُٹھیں گی ھــوشــعــنــا، تب اُن کی نقل میں باقی دنیا کے لوگ بھی کہیں گے۔ ھو شعنا، کاش! لوگ اپنی آنکھیں کھولتے اور اپنی عقلوں سے کام لینے کی بجائے خدا کے کلام پر غور کرتے، تب وہ ایک نیا نور اپنے دل میں پاتے اور ایک نئی چمک اپنی آنکھوں میں محسوس کرتے اور مستقبل سے ڈرنے کی بجائے شوق سے اُس کا انتظار کرتے اور دوسروں سے تیل اور فتیلے مانگنے کی بجائے خود اپنے گھر کے تیل اور فتیلے تیار رکھتے کیونکہ فتح انہی کی ہے جن کی دُلہنیں تیل اور فتیلے سے تیار رہیں گی اور جن کی دُلہنیں مانگنے جائیں گی وہ ناکام رہیں گے اور ان میں شامل ہوں گے جن سے دولہا منہ پھیر لیتا ہے اور جن کے لئے قلعہ کے دروازے بند کئے جاتے ہیں۔ کاش! کوئی ہو جو اس بات کو سمجھے۔

کافی ہے سوچنے کو اگر اہل کوئی ہے

## کیا سارہ بیگم کی محنت رائیگاں گئی

میں دیکھتا ہوں کہ بہت سے لوگ مجھ سے ہمدردی کرتے ہیں کہ گویا سارہ بیگم کی موت نے ان کی محنتوں کو برباد کر دیا لیکن یہ درست نہیں اور صرف کوتاہیٔ نظر کے سبب سے ہے۔

سارہ بیگم نیک نیتی سے اور اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے کوشش کرتے ہوئے فوت ہوئیں اور جو اِس طرح جان دیتا ہے وہ شہید ہوتا ہے اور پھر انہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے نبی آخرالزمان کے قول کے مطابق زچگی کی بیماری سے وفات دے کر ظاہراً بھی شہادت کا مرتبہ عنایت فرمایا ہے۔ پس وہ زندہ ہیں اور ان کے نیک کام جاری رہیں گے کیونکہ وہ جو خدا تعالیٰ کے لئے بوجھ اُٹھاتا ہے اور اسی کام میں جان دیتا ہے، خدا تعالیٰ اس کے کام کو مِٹنے نہیں دیا کرتا۔ بعض لوگ اپنی حیات سے دنیا کو فائدہ پہنچاتے ہیں اور بعض موت سے۔ یہی خدا کی سنت ہے جو قدیم سے چلی آئی ہے۔ خدا تعالیٰ نے مسیح کی زندگی سے دنیا کو فائدہ پہنچایا اور یحیٰؑ کی موت سے۔ خود ہمارے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانہ میں اگر علیؓ نے زندہ رہ کر اُمت کی راہ نمائی کی تو حمزہؓ نے بظاہر بے وقت کی موت سے۔ کئی موتیں ہیں جو زندگی سے زیادہ بابرکت ہوتی ہیں اور اگر خدا تعالیٰ کا منشاء اخفاء کی تائید میں نہ ہوتا تو میں وہ کچھ کہہ سکتا تھا جس سے عقلیں دنگ ہو جاتیں لیکن میں اسے مخفی رکھتا ہوں کیونکہ خدا بھی اسے مخفی رکھنا چاہتا ہے اور صرف اس کے آثار کو ظاہر کرنا چاہتا ہے اور کیا خود خدا کا وجود ہم سے مخفی نہیں اور کیا صرف اس کی صفات کا ظہور ہی اس کے وجود کو ہمارے سامنے نہیں لایا۔

## میرے آئندہ ارادے

آئندہ عورتوں کی تعلیم کے متعلق بھی میں کچھ کہنا چاہتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ میری آئندہ سکیم کے متعلق سرِ دست صرف یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ کچھ ارادوں اور کچھ توکّل کی ایک سکیم ہے۔ میں بعض امور کے متعلق جماعت کو آگاہ کرنا چاہتا ہوں اور کچھ حصے کے متعلق خاموش رہنا چاہتا اور اپنے دماغ کو بھی ہر اک خیال سے آزاد رکھنا چاہتا ہوں تا خدا تعالیٰ کا الہام اِس پر نازل ہو اور اس طرف میری راہنمائی کرے جو اُس کے علم میں بہتر ہے اور جس کی نسبت اُس کی رضا کا فیصلہ صادر ہو چکا ہے۔ شاید کوئی بے وقوف کہے کہ ایک چیز کو کیوں خدا پر چھوڑتے ہو اور دوسری کو نہیں۔ تو اِس کا جواب یہ ہے کہ مومن کا قدم اطاعت کا قدم ہوتا ہے جس امر میں خدا تعالیٰ اُسے کہتا ہے کہ اے میرے بندے! اس کے متعلق غور کر کے ایک راہ اختیار کر اور پھر مجھ پر توکّل کر وہ اس کے متعلق غور کرتا اور پھر توکّل کرتا ہے اور جس امر کے متعلق وہ اپنے بندے کو یہ کہتا ہے کہ اے میرے بندے دل کو خالی کر دے اور توکّل کر اور جب میری طرف سے اشارہ ہو تب حرکت کر وہ اسی طرح کرتا ہے اور توکّل کو عمل سے پہلے رکھ دیتا ہے۔ غرض صحیح راستہ یہی ہے کہ کبھی توکّل عمل سے پہلے ہوتا ہے

اور کبھی عمل توکّل سے پہلے۔ مگر وہ جو محنت نہیں کر سکتے ایک راہ کو اختیار کر لیتے ہیں اور خود بھی گمراہ ہوتے اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔

میں اس بات میں صرف اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ مَیں ایک سپاہی ہوں اور میرا یہ طریق نہیں کہ اگر ایک طرف سے دروازہ نہیں کھولا گیا تو خاموش ہو کر بیٹھ جاؤں۔ میں سپاہی کی طرح میدانِ جنگ میں جان دینے کو اپنا کام سمجھتا ہوں۔ میرا کام یہ ہے کہ اگر ایک دروازہ نہیں کُھلا تو دوسرا کھولوں اور وہ نہیں کُھلا تو تیسرا دروازہ کھولنے کی کوشش کروں۔

غرض اپنے فرض کے پورا کرنے کیلئے مختلف تدابیر اختیار کروں اور کام کرتا چلا جاؤں۔ یہاں تک کہ یا شہادت ہو یا فتح کہ مومن کیلئے اِن دونوں صورتوں میں سے کوئی بھی ہو مبارک ہی مبارک ہے۔

**سارہ بیگم کے رشتہ دار**

سارہ بیگم کی والدہ ان کی وفات سے چند ماہ پہلے فوت ہو گئی تھیں وہ ایک نہایت مخلص اور نیک خاتون تھیں اگر انہیں ولیہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا۔ ایمان میں ان کو صدق حاصل تھا، ایسی بے شر اور نیک عورتیں اِس زمانہ میں کم ہی دیکھی جاتی ہیں۔ جس عمدگی سے انہوں نے اِس رشتہ کو نبھایا، بہت کم لوگ اِس طرح نبھا سکتے ہیں۔ ان کے والد مولوی عبدالماجد صاحب زندہ ہیں لیکن بہت ضعیف، اللہ تعالیٰ انہیں صبر کی توفیق دے اور ان کی قربانی کو قبول کرے سارہ بیگم کے چار بھائی اور ایک بہن زندہ ہیں۔ سب سے بڑے پروفیسر عبدالقادر صاحب انگریزی اور عربی کے عالم ہیں اور خدمتِ دین کا جوش رکھتے ہیں لیکن بیمار رہتے ہیں، اللہ تعالیٰ انہیں صحتِ کامل اور ایمانِ کامل عطا فرمائے۔ تین چھوٹے بھائی بے کار ہیں اللہ تعالیٰ انہیں بھی دین اور دنیا میں عزت عطا فرمائے۔ پروفیسر عبدالقادر صاحب کا لڑکا علی میں نے کبھی دیکھا نہیں لیکن گھر میں سب سے زیادہ مجھ سے تعلق رکھتا ہے اور باقاعدہ خط لکھتا رہتا ہے یہ بچہ مجھے بہت عزیز ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے اپنے قُرب کا مقام عطا کرے اور اپنی ہر قسم کی برکات سے حصۂ وافر عطا فرمائے۔ خدا تعالیٰ مرحومہ کی ہمشیرہ اور دوسرے رشتہ داروں کو بھی صبر کی توفیق دے۔ سارہ بیگم نے اور کوئی کام کیا یا نہیں لیکن بنگال اور بہار کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی رشتہ داری میں شامل کر گئی ہیں۔ ان کی اولاد کے ذریعہ سے اِنْشَاءَ اللّٰہُ یہ تعلق ایک پائیدار تعلق رہے گا۔ جب تک

اک سے ہزار ہوویں مولا کے یار ہوویں

کی پیشگوئی پوری ہوتی رہے گی ، بنگال اور بہار کے لوگ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خاندان میں شامل رہیں گے ۔ میں مبالغہ نہیں کرتا ، رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا ہی فرمایا ہے ۔حضرت ابراہیمؑ کی بیوی ہاجرہ مصر کی تھیں رسول کریم ﷺ ان کی اولاد سے تھے جب مصر کا ذکر رسول کریم ﷺ فرماتے تو فرماتے مصری ہمارے رشتہ دار ہیں، ان کا لحاظ رکھنا چاہئے ۔

## اپنے آقا اور مالک سے خطاب

اب میں بندوں سے باتیں ختم کرتا ہوں اور اے میرے رب! میں تجھ سے مخاطب ہوتا ہوں۔

اے میرے مولا ! اے میرے پیارے !مَیں نے تیرے رحم کا اِس قدر معائنہ کیا ہے کہ میں ایک منٹ کیلئے بھی یقین نہیں کرسکتا کہ سارہ بیگم کی وفات کوئی بُرا فعل تھا۔ میں یقین کرتا ہوں اور یقین کرنے کی وجوہات پاتا ہوں کہ اے اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ! یہ وفات مرحومہ کیلئے ، میرے لئے ، میرے اوراس کے خاندان کیلئے یقیناً تیرا ایک رحم وکرم کا فعل تھا۔ اے میرے پیارے ! کمزور جسم بوجھ محسوس کرتا ہے، گوشت کا بنا ہوا دل درد سے بھرا ہوا ہے، مگر روح تیرے فعل کی حکمتوں کی قائل ہے وہ تیرے محبت کے انداز کو اس فعل میں بھی دیکھتی ہے، وہ اس امر اور ہر امر پر جو تیری طرف سے آئے ، راضی ہے قانع ہے، مطمئن ہے۔ اے بادشاہ! تیری مرضی پر راضی ہونے میں ہی سب برکت ہے، سب خیر ہے، جاہل انسان تیری حکمتوں کو کب دیکھ سکتا ہے، نادان عقل تیرے افعال کی گہرائیوں کو کب پہنچ سکتی ہے، پرشکستہ فکر کی پرواز تیرے علم کے بلند کناروں کو کب پاسکتی ہے۔ اے آقا! کون اپنی بنائی ہوئی عمارت کو گراتا ہے، کون اپنے کئے ہوئے کام کو خراب کرتا ہے، پھر اے عقل وفہم کے خالق! اے زیرکی و دانائی کے پیدا کرنے والے! یہ کیونکر تیری شان کے شایان ہوسکتا ہے کہ بلا حکمت اپنی صنعت کو توڑ دے، اپنے بنائے ہوئے کو بگاڑ دے، سنار جب سونے کی ڈلی کو پگھلاتا ہے، عطّار جب دواؤں کو کُوٹتا اور چھانتا ہے تو بے وقوف ہی اس پر اعتراض کرسکتا ہے، اس کے پگھلانے اوراس کے کُوٹنے میں ہزاروں صنعتیں پوشیدہ ہوتی ہیں، لاکھوں ظہور چُھپے ہوئے ہوتے ہیں، پھر اے حکیم وعزیز خدا! تیرے مٹانے اور تیرے توڑنے میں کتنے فوائد پوشیدہ نہ ہوں گے، کتنے منافع مدنظر نہ ہوں گے؟ آہ! تُو نے انسان کے ہاتھوں سے تُڑوایا اور پھر بنوایا، اس کے ہاتھوں سے مٹوایا اور پھر روشن کروایا مگر نادان پھر بھی نہ سمجھے، دلوں کے اندھے پھر بھی بینا نہ ہوئے ، انہوں نے حُسن اپنی طرف منسوب کیا اور تیری طرف بدصورتی ، طاقت اپنی طرف

منسوب کی اور تیری طرف کمزوری، حیات اپنی طرف منسوب کی اور تیری طرف موت مگر اے میرے مالک! اے میرے آقا! تُو نے مجھے آنکھیں دیں اور اپنے فضل سے بینا کیا، جب میں مرتا تھا تُو نے مجھے زندہ کیا اور جب میں شک کی تاریکیوں میں بُھول رہا تھا تُو نے مجھے یقین کا نور بخشا، اے میرے پیارے! پھر کب میں نادانوں کے ساتھ شامل ہوسکتا اور اندھوں کے ساتھ بھٹک سکتا ہوں، اے آقا! سب طاقت تیری طرف سے ہے، سب حکمت تیری طرف سے ہے، سب حیات تیری طرف سے ہے، سب زندگی تیری طرف سے ہے، سب نور تیری طرف سے ہے، سب علم تیری طرف سے ہے، میں نادان، کمزور، کم علم، پرشکستہ، تہی دست، تیرے قدموں پر گرتا ہوں، کوئی ہدیہ نہیں کہ پیش کروں، کوئی خدمت نہیں کہ بیان کروں، صرف اتنا کہتا ہوں اور کہتا چلا جاؤں گا کہ مجھے اپنا بنا لے صرف اپنا بنا لے، اپنی سبوحیت کیلئے چُن لے، اپنی قدوسیت کیلئے انتخاب کر لے، اپنے ذکر کیلئے وقف کر دے، میرے آقا! نور کی تعریف ظلمت کے منہ سے بہت ہی اچھی لگتی ہے، خوبی کو عیب کی موجودگی سے چار چاند لگ جاتے ہیں، محبت وہ جوہر ہے جو گندہ نہیں ہوسکتا، پاک محبت غلیظ برتن میں بھی پاک ہی رہتی ہے اور قبول کرنے کے قابل اور تجھ سے زیادہ قدر کرنے والا کون ہے؟

**مرحومہ کیلئے دعا** اے میرے رب! میں اب اپنی پکار کو اُس وقت کیلئے ختم کرتا ہوں۔ کیونکہ تیرے آگے کی فریاد کبھی ختم ہو ہی نہیں سکتی۔ اے میرے آقا! میں اس فریاد کے خاتمہ پر تیرے سامنے ایک تیرا ہی کلام پیش کرتا ہوں اور کلام بھی وہ جو تُو نے اپنے محبوب سَیِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ پر نازل کیا تھا۔ اے میرے رب! ایک حدیث قدسی میں ہے کہ ایک غار میں تین آدمی بارش سے پناہ لینے کیلئے داخل ہوئے۔ ان کے غار میں داخل ہونے کے بعد ہوا کے زور سے ایک بڑی چٹان لڑھک کر غار کے دروازہ پر آ گری اور دروازہ بالکل بند ہوگیا اور نکلنے کا کوئی راستہ باقی نہ رہا۔ تب اے میرے پیارے! انہوں نے مشورہ کیا اور کہا کہ آؤ ہم اپنے ان اعمال کا واسطہ دے کر خدا تعالیٰ سے دعا کریں کہ جو خالص اللہ تعالیٰ کیلئے تھے تا اللہ تعالیٰ اس مصیبت سے ہمیں بچائے۔ پس اے میرے رب! ان تینوں نے باری باری اپنا ایک ایک عمل جسے وہ سمجھتے تھے کہ خالصۃً تیرے لئے تھا، یاد کرا کرا کے دعا کی اور ہر شخص کی دعا کے بعد تُو نے ایسے سامان پیدا کر دیئے کہ غار کے منہ کے آگے کا پتھر ڈھلکتا گیا یہاں تک کہ آخر ان کے نکلنے کا راستہ ہوگیا اور وہ تینوں مسافر اس ہولناک موت سے نجات پا گئے۔ اے میرے آقا! یہ وہ خبر

ہے جو تُو نے اپنے پیارے رسول کو دی تھی اور یقیناً اس لئے دی تھی کہ تیرے بندے اس سے فائدہ اُٹھائیں۔ سوائے پیارے! میں تیرے منشاء کو پورا کرتے ہوئے تجھ سے درخواست کرتا ہوں کہ دلوں کے بھید جاننے والے آقا، پوشیدہ رازوں سے آگاہ آقا، نیتوں کی باریکیوں سے واقف آقا، اگر تیرے علم میں یہ ہے کہ میں نے اور سارہ بیگم نے تیرے ہی لئے، تیری ہی رضا کی خاطر، تیرے ہی دین کی تقویت کیلئے سارہ بیگم کی پڑھائی کا کام شروع کیا تھا اور اس میں دنیا کی عزت یا نفع یا کوئی دُنیوی غرض پوشیدہ نہ تھی، تو اے رب! میں بھی ان غار میں پھنسے ہوئے لوگوں کی طرح غم و الم کے غار میں سے جس کے سب دروازے بند نظر آتے ہیں تجھے پکارتا ہوں، تیرے سامنے ہاتھ پھیلاتا ہوا درخواست کرتا ہوں کہ اے اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ! اے بندے کے تھوڑے عمل کو قبول کرنے والے! اے نیتوں کا بدلہ دینے والے رب! جس کے دروازے سے کوئی سوالی واپس نہیں جاتا تُو اِس فعل کے بدلہ میں جب کہ تیرے لئے سارہ بیگم نے اپنی عمر سے کوئی فائدہ بظاہر نہیں اُٹھایا تُو اُن کو اگلے جہان میں اعلیٰ مقامات عطا فرما، اپنے قُرب میں جگہ دے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بہو کی حیثیت سے انہیں قبول کر اور اپنے خُسر کے پاس اَعْلٰی عِلِّیِّیْنَ میں جگہ دے کہ تیرے فضلوں سے یہ بات کچھ بعید نہیں اور تیری شان کے یہ بالکل شایان ہے۔ اٰمِیْنَ اَللّٰھُمَّ اٰمِیْنَ

اور اے میرے پیارے! یہ مت خیال کر کہ جب میں اپنے بندے کی دعا سنتا ہوں تو وہ اور دلیر ہو جاتا ہے کیونکہ تُو دینے کیلئے اور ہم مانگنے کیلئے اور تیری یہ سنت ہے کہ جب تُو ایک فضل کرتا ہے تو تیری رحمت جوش میں آ کر اسے اکیلا نہیں رہنے دیا کرتی تُو اسے ضرور جوڑا بناتا ہے کیونکہ وحدت صرف تیری ذات کو حاصل ہے باقی سب چیزوں کو تُو نے جوڑا بنایا ہے پس میں تیری توحید سے ملتجی ہوں، تیری اس قدیم سنت سے درخواست کرتا ہوں کہ جو کبھی رحمت کے عمل کو اکیلا نہیں رہنے دیتی کہ جب تُو سارہ بیگم پر رحم فرمائے تو اے میرے پیارے! ایک دیر سے جُدا شدہ میری پیاری بیوی، میرے پیارے اُستاد کی لاڈلی بیٹی، میرے عزیز بچوں کی ماں بھی اس کے ساتھ ہی لیٹی ہوئی تیرے فضلوں کی امیدوار ہے تُو اُس پر بھی فضل کر اور اُسے بھی اپنی خاص برکتوں سے حصہ دے اور اعلیٰ ترقیات کا وارث کر جو اِس دنیا میں باہم سوت تھیں اُس جہان میں بہنیں ہو کر رہیں کہ تیری جنت میں کینہ اور بُغض کا گزر نہیں۔ اٰمِیْنَ اَللّٰھُمَّ اٰمِیْنَ

اے پیارے! زبان رُکتی ہے اور قلم اٹکتا ہے مگر تجھ سے نہ مانگوں تو کس سے مانگوں۔ تجھ

سے نہ کہوں تو کس سے کہوں۔اک گنہ گار وجود اور بھی تیرے فضل کا امیدوار ہے، ایک ڈوبی ہوئی جان اور بھی تیرے سہارے کی منتظر ہے، ایک جلا ہوا دل اور بھی تیری رحمت کے چھینٹے کو ترس رہا ہے، ایک پھٹا ہوا سینہ اور بھی تیری رأفت کی مرہم کی امید لگائے ہوئے بیٹھا ہے، آ آ جب رحمت کا دریا جوش پر ہے تو اِسے بھی آغوش میں لے لے، رحم کرنے پر آیا ہے تو اب رحم کر، اُدھورا نہ چھوڑ۔ تیری سبوحیت میں کیا کمی آئے گی۔ اگر اسے سبوحیت کی چادر اُڑھا دے تیری قدوسیت میں کیا نقص ہو جائے گا؟ اگر اسے قدوسیت کی عبا میں لپیٹ دے۔ آہ! تُو جانتا ہے کہ پورے پچیس سال ہوئے ایک دل ٹوٹا تھا ایک کلی مُرجھائی تھی پھر نہ ٹوٹا ہوا دل جُڑا نہ سُوکھی ہوئی کلی تازہ ہوئی۔ دنیا میں ایک خلا پیدا ہو گیا جو پھر کبھی نہ پُر ہوا اور آسمان میں ایک شگاف پیدا ہوا جو پھر کبھی بند نہ ہوا کیا اب بھی تیری رحمت جوش میں نہ آئے گی؟ کیا اب بھی تیرا فضل نازل نہ ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

مرزا محمود احمد۔ خلیفۃ المسیح
۲۳۔ جون ۱۹۳۳ء
(الفضل ۲۷۔ جون ۱۹۳۳ء)

---

۱ البقرۃ: ۱۵۶، ۱۵۷
۲ درثمین فارسی صفحہ ۱۳۶۔ شائع کردہ نظارت اشاعت ربوہ
۳ الجمعۃ: ۴
۴ النساء: ۳۵
۵ تِلْوَرْیے: تلوار چلانے والے۔ جنگجو۔ بہادر